"مرثیہ قطب شاہ سے ساحر تک"

مطالع

ذوقِ سخن تجلّیِ ایوانِ زندگی

از: ساحر لکھنوی

رثائی ادب میں نادر اضافہ:

رئیس امروہوی

تعارفِ شعرا:

ھلال نقوی

ناشر

پاکستان ریڈرس گلڈ

پوسٹ بکس نمبر ۵۸۷۵۔ کراچی

*

ملنے کا پتہ

سیّد محمّد مہدی

دانش منزل۔ اے ۴۴۔ بلاک ۱۳، گلشنِ اقبال کراچی

ہدیہ: ۷ روپے
(علاوہ محصول ڈاک)

فہرست

اِنتساب ـــــــــــ

والدِ مرحوم نواب سیّد اختر حسینؒ مصوّر اعلی اللہ مقامہ
کے نام ــــــــــ

ساحرؔ لکھنوی

بیاں اپنا

برصغیر کے مشہور خانوادۂ علم و ادب یعنی خاندانِ اجتہاد کے ایک نامور فرد نواب مولوی سید اصغر حسین صاحب فاخر اعلیٰ مقامہ ایک مانے ہوئے شاعر اور اتنے بلند مرتبہ مرثیہ گو تھے کہ خاندان انیس میں ان کو احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ کثیر التلامذہ اور صاحبِ دواوین تھے۔ کم سے کم پانچ دیوان غزلیات کے شائع ہوئے۔ ہر صنفِ سخن پر قادر تھے۔ زیادہ توجہ غزل اور مرثیہ کی جانب تھی۔

لکھنؤ کے ایک اور باکمال ذی شرف شاعر نواب سید محمد ذکی علی خاں ہاتف اعلی اللہ مقامہ کی صاحبزادی حضرت فاخر اعلیٰ مقامہ کے پوتے نواب سید اختر حسین صاحب مقبور اعلیٰ مقامہ سے منسوب ہوئیں۔ یہ دونوں بزرگوار میرے محترم والدین ہوئے۔

۱ ستمبر ۱۹۳۳ء کو زیارتِ مقاماتِ مقدسہ کے سفر کے دوران کراچی میں اس دنیا میں قدم رکھا۔ بچپن ہی میں زیارات سے مشرف ہوا۔ ہجرت سے پہلے لکھنؤ ہی بسر ہوئی۔ وہیں سے میٹرک کا امتحان فرسٹ کلاس میں پاس کر کے کراچی آ گیا۔ یہاں اسلامیہ کالج سے بی اے اور ایس ایم لا کالج سے قانون میں فرسٹ کلاس سند لی۔ کراچی یونیورسٹی سے اُردو میں ایم اے کیا۔ صنعتی اور مزدور قوانین کے ڈپلومہ کے امتحان میں پورے پاکستان میں اول آیا۔

لکھنؤ میں گھر کی ادبی فضا نے بچپن ہی میں ذوقِ شعری کو پروان چڑھایا۔ والد مرحوم کے علاوہ میرے دونوں چچا یعنی نواب سید افسر حسین صاحب افسر مدظلہ العالی اور نواب سید آفتاب حسین

افخر مدظلہ العالی [illegible] بانی کنور حسن عباس صاحب عباس مدظلہ العالی رئیس ٹانڈہ تھی۔ والدہ گرامی قدر
اور بعض دوسری خواتین بھی شعر کہتی تھیں۔ تقریباً ہر روز شام کو ایک نشست ہوتی اور جس جس نے جو
کچھ کہا ہوتا وہ سنا دیتا۔ اس ماحول نے شعر کہنے پر مجبور کر دیا۔ ابتداء سلام سے کی اور اصلاح کے لئے
عم محترم لسان الشعراء مولوی سید اولاد حسین صاحب عرف مولوی للن صاحب شاعر اعلی اللہ مقامہ کی
کی خدمت میں پیش کیا۔ اس کے بعد جب تک لکھنؤ میں رہا حسینی شاعر حضرت فضل نقوی مدظلہ العالی
مدیر "نظارہ" سے اصلاح لیتا رہا۔ یہ دونوں بزرگوار حضرت فاخر اعلی اللہ مقامہ کے بھانجے اور جانشین
یعنی دعبل ہند حضرت ذاخر اعلی اللہ مقامہ کے نامور فرزند اور شاعری میں ملک گیر شہرت کے مالک تھے
حضرت فضل نقوی مدظلہ العالی رشتہ میں میرے چچا بھی ہوتے ہیں اور پھوپھا بھی اور شاعری میں ایک
انتہائی شفیق اور محبت کرنے والے استاد بھی۔ اگر ان کی مشفقانہ رہنمائی نصیب نہ ہوتی تو میری زندگی
کا یہ باب شروع ہوتے ہی ختم ہو جاتا۔

کراچی آنے کے بعد تقریباً ۶۶ء تک شاعری کا سلسلہ منقطع رہا۔ بالآخر میرے ایک
انتہائی کرم فرما اور اس عہد کے ایک بلند پایہ شاعر حضرت ظفر جونپوری مدظلہ العالی لکچرار کراچی
یونیورسٹی نے بقول شخصے مار مار کر مجھ سے شعر کہلوانا شروع کیا۔ اس طرح تقریباً بارہ برس کے تعطل
کے بعد میری شاعری کا دوسرا دور شروع ہوا۔ اس دور میں رہنمائی اور اصلاح سخن کے لئے شاعر
آل محمد حضرت نسیم امروہوی مدظلہ العالی کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا۔ ان کی ذات گرامی شعر و ادب
خصوصاً مرثیہ کے میدان میں کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔

اس دوسرے دور میں بنیادی طور پر توجہ قصیدے کی طرف رہی۔ ۱۹۷۵ء میں علاوہ
اور بزرگوں اور دوستوں کے اپنے ایک انتہائی شفیق اور محبت کرنے والے بزرگ اور اعلیٰ درجہ
کے شاعر اور مرثیہ نگار حضرت عزم جونپوری مرحوم کی پیہم ہمت افزائی اور حضرت نسیم امروہوی
مدظلہ کے ایماء پر مرثیہ کہنے کی جسارت کی، چنانچہ زیر نظر مرثیہ میرا پہلا مرثیہ ہے جو پہلی مرتبہ ۲۴ جنوری
۱۹۷۶ء مطابق ۲۱ محرم الحرام ۱۳۹۶ھ بروز شنبہ جامعہ امامیہ کراچی میں پیش کیا۔ اس کے بعد دبستان انیس

راولپنڈی کی دو مجالس میں اور قصر حسینی خیرپور میں نذر سامعین کرنے کے علاوہ متعدد جگہوں پر پڑھا۔

الحمدللہ کہ اب اس مرثیہ کی اشاعت کی نوبت آئی ہے۔ یہ میرے لئے باعثِ تشکر و امتنان تو ہے ہی لیکن مرثیہ کے موضوع سے دلچسپی رکھنے والے طالبان علم کے لئے بھی اس کی کچھ افادیت ضرور ہے۔ اس کا موضوع "مرثیہ" ہے۔ میں نے اس میں اپنے طور پر اپنے لفظوں میں مرثیہ کی تعریف کی ہے۔ دیگر اصنافِ سخن کے مقابلے میں اس کی اہمیت، مختصر تاریخ اور اسی ذیل میں مختلف ادوار اور مقامات کے کوئی ۱۲۰ مرثیہ گو شعراء کا ذکر کیا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ یہ ایک کلام منظوم ہے نثر نہیں، ظاہر ہے کہ اسمیں اتنی گنجائش نہیں کہ قلی قطب شاہ سے لے کر اس عہد تک جو سینکڑوں مرثیہ گو شعراء گذرے ہیں ان سب کے نام اس میں شامل کئے جا سکیں۔ لہٰذا ان تمام مرثیہ گو شعراء اور ان کے مداحین سے جو ملک کے کسی بھی علاقے سے علاقہ رکھتے ہوں دست بستہ یہ گذارش ہے کہ کسی نام کی عدم شمولیت کو دلشکنی کا باعث نہ سمجھیں اور ہرگز یہ خیال نہ فرمائیں کہ متعلقہ مرثیہ گو کے مرتبہ کو نظر انداز کرنے کی جسارت کی گئی ہے۔ اس کی وجہ محض نظم کی تنگ دامنی اور میرا عجز ہے۔

اس مرثیہ میں جن مرثیہ نگاروں کے نام آتے ہیں ان کے مختصر حالات پر مشتمل ایک اشاریہ مرثیہ کے آخر میں حروف تہجی کے اعتبار سے شامل کر دیا گیا ہے، جس سے طالبانِ علم کے لئے اس مرثیہ کی افادیت خاطر خواہ طور پر بڑھ گئی ہے۔ یہ اشاریہ ملک کے انتہائی باصلاحیت نوجوان شاعر اور مرثیہ نگار جناب تلال نقوی نے مرتب کیا ہے، وہ مرثیہ کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کے لئے ریسرچ کر رہے ہیں۔ اور اس لئے یہ اشاریہ مرتب کرنا انہیں کیلئے موزوں تھا۔ میں ان کی اس زحمت کے لئے تہہ دل سے شکر گذار ہوں۔

یہ مرثیہ صاحبانِ نقد و نظر کے معیار پر پورا اترتا ہے یا نہیں؟ اس کا فیصلہ تو وہ خود کرینگے میرے لئے کچھ عرض کرنا بے محل ہے۔ البتہ اس عہد کے ایک عظیم صحافی، شاعر، نقاد اور مشہور ادیب رئیس القلم جناب رئیس امروہوی مدظلہ العالی نے اپنی شدید مصروفیات کے باوجود

اس مرثیہ کے متعلق لکھنے کی زحمت فرمائی ہے۔ جس کے لئے ان کا شکریہ ادا کرنے کے واسطے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ گو کہ وہ مجھ سے اس حد تک ناواقف ہیں کہ صورت آشنا بھی نہیں، پھر بھی ان کی یہ زحمت میرے لئے وجہ افتخار بھی ہے اور سپاس گذاری کی متقاضی بھی۔

والسلام

(سید قائم مہدی نقوی) ساحر لکھنوی

دانش منزل۔ ۴۴ اے، بلاک ۱۳ گلشنِ اقبال کراچی

یکم دسمبر ۱۹۷۷ء

رثائی ادب میں نادر اضافہ

(رئیسؔ امروہوی)

ادب ــــ آفاق بھی ہے اور آفاقی بھی ــ ہر زبان کے لیے اس کا آفاقی ادب سرمایۂ نازش اور مبدءِ تخلیق ہوا کرتا ہے۔ اردو میں مرثیہ نگاری کی صنفِ سخن بھی آفاقی حیثیت رکھتی ہے اور اپنے موضوع کی وسعت اور تنوع کے لحاظ سے امتیازِ خاص کی حامل ہے۔ اردو کی تمام اصنافِ سخن پر عربی و فارسی اثرات کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔ البتہ مرثیہ نگاری وہ تنہا صنفِ سخن ہے جس نے غزل اور قصائد کی طرح فارسی و عربی اسالیبِ شعر کے اثرات کو قبول نہیں کیا۔ اس حقیقت کا ثبوت وہ ابتدائی مرثیے ہیں جن کا آغاز قلی قطب شاہ اور ان کے معاصرین کے عہد میں ہوا۔ اور بعد میں انیسؔ و دبیرؔ جیسے قادر الکلام شعرا نے انھیں (اردو مراثی کو) معراجِ کمال تک پہونچا دیا۔ یہ مرثیے اپنے مزاج، مذاق اور اسالیبِ ابلاغ کے اعتبار سے کسی طرح فارسی و عربی اثرات کے مرہونِ منّت نہیں۔ انیسؔ و دبیرؔ کے ہاتھوں درجۂ تکمیل پر فائز ہونے کے بعد اردو مرثیے نے ہر صنفِ سخن کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا اور اس طرح ہماری زبان کی شاعری میں ایک ایسی صنفِ سخن وجود میں آئی جس کی مثال کسی زبان کے ادب میں نہیں ملتی۔ اردو مرثیے کا ایپک EPic اور ٹریجڈی (TRAGEDY) سے تقابل کرنے والے یہ توضیح کہتے ہیں کہ اردو مرثیہ نہ ایپک سے تعلق رکھتا ہے نہ ٹریجڈی

سے ! ــــ اس لیے کہ یہ خود ایک مکمل مستقل اور منفرد صنفِ سخن ہے۔ البتہ ایپک ہو یا ٹریجڈی، ان دونوں کی خصوصیات اردو مرثیے میں موجود ہیں !

اردو مرثیہ کے متعلق اس گفتگو کا سبب یہ ہے کہ ساحرؔ لکھنوی کے زیرِ نظر مرثیہ کا موضوع ہی اردو مرثیہ ہے۔ اردو مرثیہ کیا ہے ؟ لغوی اور اصطلاحی تعریف کے ساتھ ساتھ شاعرانہ فکر کے اعتبار سے مرثیہ کی تعریف کیا ہے ؟ اردو مرثیے کی ابتدا کس نے کی ؟ اس کے ارتقائی سفر کی منزلیں کیا تھیں ؟ مرثیہ کے ابتدائی دور سے عہدِ جدید تک مختلف ادوار کے نمائندہ مرثیہ نگار کون کون تھے ؟ ساحرؔ نے اس مرثیہ میں ان سب حقائق پر بڑے محققانہ انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ اس طرح یہ مرثیہ ایک تاریخی دستاویز بن گیا ہے۔ آپ اس کو مرثیہ کی اجمالی تاریخ کہہ سکتے ہیں۔ یہ ایک تاریخ ساز کام کیا گیا ہے جس کی اہمیت کو صرف طالبانِ علم اور مرثیہ سے دلچسپی رکھنے والے عام قارئین ہی نہیں بلکہ اس موضوع پر تحقیق کرنے والے بھی محسوس کریں گے۔ یقیناً یہ مرثیہ ایک ریفرنس بک REFERENCE BOOK کے طور پر کام آسکتا ہے۔

ساحرؔ لکھنوی جس خانوادۂ علم و ادب سے تعلق رکھتے ہیں اس میں نہ صرف جناب غفراں مآب علیہ الرحمہ اور سلطان العلماءؒ سے لے کر اب تک متعدد جیّد مجتہدین اور علماءِ کرام پیدا ہوئے ہیں بلکہ شعر و ادب میں بھی مہدی حسین ماہرؔ، اصغر حسین فاخرؔ، ذاخرؔ، بندہ کاظم جاویدؔ، چھنگا صاحب حسینؔ، خورشیدؔ، امیدؔ، عقیلؔ، فہیمؔ،

اولاد حسین شاعر، ظفر عباس فضلی اور اختر حسین مصور جیسے بلند پایہ مرثیہ نگار اور نوحہ گو شاعر پیدا ہوئے ہیں جن میں سے بعض صاحبِ دواوین بھی ہیں۔ اس لحاظ سے شاعری اور مرثیہ نگاری ان کا خاندانی ورثہ ہے۔ سونے پر سہاگہ، انھیں دورِ حاضر کے منفرد مرثیہ گو، شاعرِ آلِ محمدؐ حضرتِ نسیم امروہوی کے مشورے اور رہنمائی کا شرف بھی حاصل ہے۔

ساحر کا زیرِ نظر مرثیہ اپنے عنوان کے اعتبار سے جدید اور اپنے اجزائے ترکیبی کے اعتبار سے کلاسیکی انداز کا مرثیہ ہے۔

کلاسیکی مرثیہ کو انیس و دبیر نے اس بلندی پر پہنچا دیا تھا کہ اس کے بعد بظاہر کوئی منزل نہ تھی۔ کلاسیکی مرثیہ کے دو اہم اجزاء یعنی تلوار اور گھوڑے کی تعریف میں کوئی گوشہ چھوڑا نہیں گیا جس کی وجہ سے اس بارے میں کوئی نئی بات کہنا تقریباً ناممکن معلوم ہوتا ہے اور عام طور پر جو کچھ کہا جاتا ہے وہ محض انیس و دبیر کی صدائے بازگشت معلوم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس عہد کے مرثیہ نگاروں نے کلاسیکی مرثیہ کے ان اجزاء کو تقریباً ترک کر دیا ہے اور اب پورے برِّ صغیر میں سوائے دو چار اساتذہ کے کوئی اس موضوع پر قلم نہیں اٹھاتا۔ ساحر نے اس مرثیہ میں تلوار اور گھوڑے کی تعریف میں نہایت کامیابی کے ساتھ بعض نئی تشبیہات استعمال کی ہیں جن کو بجا طور پر اس باب میں ایک اضافہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ مثلاً تلوار کی تعریف میں : ؎

کھنچ کر مقابلے پہ جو باطل کے تن گئی   چینِ جبینِ حیدرِ کرار بن گئی

گھوڑے کی تعریف میں : ؎

اسپِ فلک نورد کی رفتار کی مثال　　رف رف، براق، برق، تجلّی، نظر، خیال

اسی طرح ؎

اک جست میں زمیں سے خلا تک سفر کرے　　اک ثانیے میں چاند کی منزل کو سر کرے

بالکل عہدِ جدید کی بات ہے اور خلائی سفر کے اس دور میں ہی کہی جا سکتی تھی۔

یا ؎

اس کو جو آپ ہٹ کے نہ رستہ بہاڑ دے　　ٹاپوں سے مار مار کے صورت بگاڑ دے

نہ صرف نیا انداز اور نیا آہنگ لیے ہوئے ہے بلکہ جذبہ کی توانائی کی بھرپور عکاسی بھی کرتا ہے۔

اس مشکل اور پامال موضوع پر اتنی کامیابی سے قلم اٹھانا ساحر کی ندرتِ خیال، قوتِ فکر اور قدرتِ نظم کی روشن دلیل ہے۔

مرثیہ کے دوسرے حصہ میں امام حسینؑ کے اٹھارہ برس کے نورِ نظر جناب علی اکبرؑ کا حال نظم کیا گیا ہے جو رخصت، آمد، رجز، جنگ اور شہادت پر مشتمل ہے۔ اسی اعتبار سے میں نے اس کو کلاسیکی طرز کا مرثیہ بھی کہا ہے۔ رخصت اور شہادت کے حصّے نہایت دلگداز اور اثر انگیز ہیں۔ حضرت علی اکبرؑ کی جنگ اور میدانِ جنگ کی منظر نگاری کے حصّے رنگ و آہنگ کا حسین امتزاج ہیں جن کو پڑھ کے بے ساختہ منہ سے واہ نکل جاتی ہے۔ یہ بند ملاحظہ کیجیے :

حضرت علی اکبرؑ فوجِ شام پر حملے کر رہے تھے اور ان کی شمشیرِ جوہر دار دشمن پر قہرِ خدا بن کر گر رہی تھی :

یہ تیغ اور کیا تھی جو قہرِ خدا نہ تھی   باطل سے اس کے دل میں مروت ذرا نہ تھی
سچ مچ ہلاک کرتی تھی عشوہ نما نہ تھی   ہمشانِ ذوالفقار تھی تیغِ ادا نہ تھی

جھونکے چلے جو دشت میں ایسی حسام کے
بجھنے لگے چراغ سویرے سے شام کے

نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کے قدم اکھڑ گئے ، فوجِ شام بھاگ کھڑی ہوئی اور میدانِ جنگ میں بلا کی افراتفری مچ گئی :

ہچل یہ تھی کہ تیغ کہیں تھی سپر کہیں   رہرو کہیں تھے ، راہ کہیں ، راہبر کہیں
بھائی کہیں تھا ، باپ کہیں اور پسر کہیں   بھگدڑ مچی تھی ، پاؤں کہیں تھے ، نظر کہیں

پیدل تو کیا سوار گرے اضطراب میں
سر خاک پر تھے ، پاؤں معلّق رکاب میں

شر سے ہمکنار تھا میدانِ کارزار   نقّارہ و دہل کی گرج ، شورِ گیر و دار
چیخیں وہ زخمیوں کی وہ کڑکیت کی پکار   گھوڑوں کی جست و خیز سے اڑتا ہوا غبار

لاشے نظر کی آخری حد تک پڑے ہوئے
اکبرؑ کی تیغِ تیز کے جھنڈے گڑے ہوئے

بکھرے پڑے تھے دشتِ وغا میں اِدھر اُدھر   ہتھیار چار آئینے ، زرہیں ، جھلم ، سپر

دل، ہاتھ، پاؤں، سینہ، جگر، سب تر بتر گھوڑوں کی ٹھوکروں میں تھے خیرہ سروں کے سر

جھکتے نہ تھے جو کبر سے اک آن کے لیے

گیندیں بنے تھے موت کی چوگان کے لیے

ان بندوں میں زورِ بیان عروج پر ہے ، منظر نگاری اتنی خوبصورت ہے کہ ذرا سے تصور کے سہارے میدانِ جنگ کا پورا حال اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں ۔ حسبِ محل مرثیہ کی کلاسیکی زبان بھی استعمال کی گئی ہے مگر مصرعوں کی بندشیں، خیالات اور اندازِ بیان بالکل منفرد اور اچھوتا ہے ۔ دوڑتے ہوئے گھوڑوں کی ٹھوکروں میں آنے والے بریدہ سروں کے لیے یہ کہنا کہ ۔ ؏

گیندیں بنے تھے موت کی چوگان کے لیے

ندرتِ خیال اور پروازِ تخیّل کی ایک حسین مثال ہے ۔

مختصر یہ کہ ساحر لکھنوی کا یہ مرثیہ اردو کے رثائی ادب میں ایک خوبصورت اضافہ بھی ہے اور ایک مفید دستاویز بھی ۔

آخر میں یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ جدید مرثیہ کی ضرورت اور اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ کلاسیکی انداز کے مرثیے بھی کہے جاتے رہیں تاکہ اردو رثائی ادب کے شاندار ماضی سے بھی ہمارا رشتہ استوار رہے اور ہم اس عظیم کلاسیکی ورثہ سے محروم نہ ہونے پائیں اور جدید مرثیہ کی ترقی کی کوششوں میں ان چراغوں سے روشنی حاصل کرتے رہیں جو اردو رثائی ادب کے آسمان پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمک رہے ہیں ۔ ٭

ذوقِ سخن تجلیِ ایوانِ زندگی
شانہ کشِ عروسِ شبستانِ زندگی
۱
زیبائشِ بہارِ خیابانِ زندگی!
عطرِ حیات، رُوحِ نفس، جانِ زندگی
سارا شرف کلام کی شائستگی سے ہے
انسان کائنات میں افضل اسی سے ہے

شیریں کلام لہجۂ عجز و نیاز میں
جیسے صدا بلال کی صحنِ حجاز میں
(۲) ناواقفانِ رمزِ سخن، بزمِ ناز میں
ایسے ہیں جیسے ٹوٹے ہوئے تار ساز میں
گونگے ہیں، خوفِ جہل سے لب کھولتے نہیں
منہ میں زبان رکھتے ہیں اور بولتے نہیں

لطفِ حیات لذّتِ شعر و سخن میں ہے
تاثیرِ ذکر فکر ہی کے بانکپن میں ہے
(۳) بوئے لباسِ حُور اسی پیرہن میں ہے
رعنائی خیال اسی انجمن میں ہے
اہلِ نظر کی بزم میں اس کا گذر نہیں
جس کو یہاں سلیقۂ عرضِ ہُنر نہیں

عرفانِ کردگار ہے عنوانِ شاعری
خالق کی حمد، مطلعِ دیوان شاعری
نعتِ رسولؐ منزل ایمان شاعری
پھر اس کے بعد مدحِ علیؑ جانِ شاعری
زہراؑ کی ہو ثنا کہ صفت ان کے لال کی
تطہیر نفس کی ہے طہارت خیال کی

۴

وہ حمد ہو کہ نعت، وہ مدحت ہو یا ثنا
ہر ایک کا ہے اپنی جگہ اپنا مرتبا
لیکن یہ کہہ رہے ہیں تنوع، اثر، ادا
ہر ایک صنف شعر پہ حادی ہے مرثیا
میدان اس کا اتنا وسیع و بسیط ہے
اصنافِ کل سخن پہ یہ تنہا محیط ہے

۵

اس میں غزل کا حسن قصیدے کی دلکشی
مدحت کی آن بان عقیدت کی چاشنی

(۶)

حمدِ خدا کا لطف بھی نعتِ رسولؐ بھی
پھیلاؤ میں ہے نظم، تسلسل میں مثنوی

غم بھی ہے بزم و رزم بھی ہے، ہمہمہ بھی ہے
یہ داستانِ درد بھی ہے زمزمہ بھی ہے

مومن کے حق میں رحمتِ باری ہے مرثیہ
گوشِ ستم پہ ضربتِ کاری ہے مرثیہ

(۷)

دربارِ فن میں پنج ہزاری ہے مرثیہ
مُلکِ سخن میں لاکھ پہ بھاری ہے مرثیہ

اک ضربِ عشق ہے دلِ بیدار کے لئے
اک سان ہے ضمیر کی تلوار کے لئے

دریائے فکر و فن کی روانی ہے مرثیہ
تیغِ زبانِ شعر کا پانی ہے مرثیہ
لیلائے شاعری کی جوانی ہے مرثیہ
تاریخ نے کہی وہ کہانی ہے مرثیہ

(۸)

ہے فردِ جرم فوجِ ضلالت شعار بھی
کردارِ اہلبیتؑ کا آئینہ دار بھی

میّت کا ذکرِ خیر لغت میں ہے مرثیا
لیکن بہ اصطلاح میں ہے ذکرِ کربلا
وہ کربلا جو سب سے بڑا حق کا معرکہ
وہ معرکہ جو معرکۂ صدق و کذب تھا

(۹)

حق پر نثار ہونے کا جس نے سبق دیا
عزّت کے ساتھ جینے کا انساں کو حق دیا

وہ شام کے اندھیرے سے نورِ خدا کی جنگ
اہلِ دغا و مکر سے اہلِ وفا کی جنگ
طاغوتیت کے اوج سے عرشِ علا کی جنگ
اسلام کی بقا کے لئے کربلا کی جنگ

۱۰

وہ صرصر و سموم سے پھولوں کی جنگ تھی
نیکی میں اور بدی میں اصولوں کی جنگ تھی

اک سمت تھا یزید لعین بدا طوار و بد قماش
بے دین و بے اصول و بداخلاق و بد معاش
اسلام دستِ ظلم سے جس کے تھا پاش پاش
کاندھے پہ رکھ کے عظمتِ انسانیت کی لاش

۱۱

ٹھوکر کتابِ پاک پہ بھی مارتا ہوا
آیا تھا حق کے سامنے للکارتا ہوا

اور دوسری طرف تھا محمدؐ کا نورِ عین
قرآن و وحی و دین و شریعت کی زیب و زین
انسانیت کی آنکھوں کی ٹھنڈک، جگر کا چین
ایثار و صبر و عشق و صداقت کا دل، حسینؑ

۱۲

حق کی بقا کا عزم مصمم کیے ہوئے
انسانیت کے اوج کا پرچم لیے ہوئے

انساں نواز دل، جگر شحنۂ نجف
زہراؑ کی جان، احمدؐ مختار کا خلف
کعبہ کا افتخار، براہیمؑ کا شرف
آیا جو کار زارِ شہادت میں سربکف

۱۳

سب خاک میں غرورِ حکومت ملا دیا
مظلومیت کے نام کا سکّہ چلا دیا

تاریخ ساز وہ سرِ میدانِ کربلا
ظلم و ستم کے منھ پہ طمانچہ حسینؑ کا
آئینِ سرفرازیِ انسان بن گیا
تشریحِ معتبر ہے اسی کی یہ مرثیا

۱۴

فرقِ ملوکیت کے لئے ضربِ سنگ ہے
ہر ظلم کے خلاف یہ اعلانِ جنگ ہے

اس جنگ کا نقیب، قطب شاہِ حق پناہ
مولاؑ کا وہ فقیر، دکن کا وہ بادشاہ
اُردو ادب میں اس نے نکالی نئی یہ راہ
کی ابتدائے مرثیہ گوئی بہ اشک آہ

۱۵

یہ گلشنِ سخن میں نئی داغ بیل تھی
ورنہ غزل ازل سے تماشہ تھی کھیل تھی

لیکر اٹھے تھے جس کو قطب شاہِ ذی حشم
تاریخ آگے بڑھنے لگی لے کے وہ علم
۱۶
اس کے تلے گدا و سکندر ہوئے بہم
بڑھتا رہا وہ جانبِ منزل قدم قدم

مسکینِ فن کی شمعِ فروزاں لیئے ہوئے
چشم و نظر میں عترت و قرآں لیئے ہوئے

جذبے نے تجربات کی گودی میں پال کے
تیور جوان کر دیئے اس نونہال کے
۱۷
ہیئت بدل گئے اک نئے سانچے میں ڈھال کے
تنقید کے بھنور سے نکالا سنبھال کے

میر اس کو زیبِ میری و درائی کر گئے
سودا تو اک زمانے کو سودائی کر گئے

اس صنف میں کمال فصاحت تو دیکھیے
لہجے کے بانکپن میں متانت تو دیکھیے
منظر کشی میں ذہن کی جودت تو دیکھیے
جذبات کے بیاں میں حقیقت تو دیکھیے
مضمون حرب و ضرب ہے اس آن بان کا
آہنگ ہے سخن میں کڑکتی کمان کا

(۱۸)

آغاز میں کلام کے شاعر بہ آب و تاب
"چہرے" سے مرثیے کے اٹھاتا ہے جب نقاب
چشم خیال دیکھتی ہے کچھ عجیب خواب
یہ ہے چمن، وہ دشت، یہ دریا تو وہ سراب
تڑکا یہ نور کا، وہ سیاہی ہے شام کی
وہ لشکر یزید تو یہ فوج امام کی

(۱۹)

منظور ہو نمودِ سحر کا اگر بیاں
کھینچے کچھ ایسے حُسن سے وہ صبح کا سماں
بانگِ ہر اِک کلک بنے نعرۂ اذاں
انگڑائی لے کے جاگ اُٹھے پھر آسماں
لیلائے شب نقاب سے منھ ڈھانکنے لگے
گھونگھٹ سے صبحِ نو کی دلہن جھانکنے لگے

۲۰

گرمی کا ہو بیاں تو لرز جائے ہر نظر
نقطوں پہ ہو گمان کہ اڑ کر گرے شرر
لفظیں ہوں سب سیاہ یہ سوزش کا ہو اثر
لکھے "سفر" تو دیکھنے والا پڑھے "سقر"
حدت سے کھول جائے سیاہی دوات کی
عشرے کو جیسے دھوپ سے موجیں فرات کی

۲۱

رنگ و غا جو بزم میں یہ اہلِ فن جمائیں
کانوں میں گو نجنے لگے تیروں کی سائیں سائیں
سن سن سے تیغِ فکر کی جی سب کے سنسنائیں
کمزور دل تو چیخ اٹھیں کہہ کے "ہائیں ہائیں"

(۲۲)

دستِ خیال بندِ نظر کھولنے لگے
گوشِ تصورات میں رن بولنے لگے

چھڑ جائے ذکرِ غم تو فضائیں ہوں سوگوار
نکلے جو آہِ سرد ہوائیں ہوں بے قرار
نوحے کی جو بلند صدائیں ہوں بار بار
پامالیٔ چمن پہ گھٹائیں ہوں اشک بار

(۲۳)

آنسو امڈ کے آئیں خیالات کی طرح
بارش ہو اشکِ درد کی برسات کی طرح

قدرت بہ فکر و فن پہ قلم پر بہ اختیار
افضالِ پنجتن ہے بتائید کردگار
اس رتبہ بلند پہ ہے مرثیہ نگار
ملکِ سخن پہ اس کا مکمل ہے اقتدار

۲۴

دنیائے شاعری پہ حکومت اسی کی ہے
دینِ سخنوری میں امامت اسی کی ہے

دلگیر سے ہوئی اس امامت کی ابتدا
پہلے بھی مرثیہ تھا مگر یہ مزہ نہ تھا
پھر فیض ہے فصیح و خلیق و ضمیر کا
وہ جن سے مرثیے کو ملا دبدبہ نیا

۲۵

بخشا صلہ انھیں یہ جنابِ امیرؑ نے
چمکا دیئے ہیں نام انیس و دبیر نے

دونوں نے مرثیے کو عجب مرتبہ دیا
جیسے گدا کو خلعتِ شاہی پہنا دیا
چیونٹی کو اوج دے کے سلیماں بنا دیا
ایک بوریا نشیں کو فلک پر بٹھا دیا
یہ نظم صنفِ شعر کی سرتاج ہو گئی
گویا براقِ فکر کو معراج ہو گئی

(۲۶)

ان کی روش پہ اور بھی اہلِ ہمم چلے
عشقؔ سخن میں انیسؔ و تعشقؔ بہم چلے
مونسؔ بہت نفیسؔ روش دم بدم چلے
کاملؔ بھی تھے رشیدؔ بھی جو ذی حشم چلے

(۲۷)

ایسا وحیدؔ عصر جو ہر راہبر ہوا!
اوجؔ سخن پہ فکر و نظر کا گذر ہوا

پھولا پھلا جو اور یہ مولا کا گلستاں
پہنچی صدائے مرثیہ گوئی کہاں کہاں
ہر قوم ہر قبیلے میں کیا کیا تھے خوش زباں
نانک، ریاض، شاد، فلق، وحشی و بیاں
خوشبو شمیم کی چمنستانِ فن میں تھی
بر جیس کی ضیا بھی اسی انجمن میں تھی
(۲۸)

فائق نما ہر چمن سے چمن زارِ لکھنؤ
تھا کیا رفیع طرۂ دستارِ لکھنؤ
فائز اس اوجِ فکر پہ سرکارِ لکھنؤ
اختر کا فیض جلوۂ دربارِ لکھنؤ
مثلِ قطب قدیم روش پہ سجا ہوا
ایسا عروجِ حسن کہ دولہا بنا ہوا
(۲۹)

کیسی بہار پر تھا گلستانِ لکھنؤ
اپنے پرائے سب تھے ثنا خوانِ لکھنؤ
ثابت کہ اک ستارۂ تابانِ لکھنؤ
وہ آرزو کہ حاصلِ ارمانِ لکھنؤ

۳۰

ایسے خطیبِ بابِ خبر جن پہ ناز تھا
ایسے ذکی کہ جن پہ فراست کو ناز تھا

تہذیبِ مرثیہ سے مہذب وہ باشعور
ہو کے مودب آئے تھے اس بزم کے حضور
عارف کے روئے فکر پہ تھا معرفت کا نور
آشفتہ و جلیل کا شہرہ تھا دور دور

۳۱

ہر ایک اپنے فن میں جو فرد فرید تھا
اس نظم کے بیان میں اثر بھی شدید تھا

ہیں ان کے ماسوا بھی کئی شُعرا وہ نیکنام
جن کو ملا ہے مرتبے سے عظمتِ دوام

(۳۲)

کچھ فن کے مقتدی ہیں جو اُن میں تو کچھ امام
کچھ نجم ہیں فلک کے تو کچھ ہیں مہہ تمام
ہیں پاس کے بھی، دُور سے آئے بھی ہیں بہت
اپنے ہی سب نہیں ہیں پرائے بھی ہیں بہت

اپنے ہوں یا پرائے، سب اس بزم کے جلیس
یا پیروِ دبیر ہیں یا پیروِ انیس

(۳۳)

افکار پاک و صاف، زباں سادہ و سلیس
مضمون پُر شکوہ، سخن نادر و نفیس
یوں ہے نگاہِ شوق میں ان کے سخن کا حُسن
دولہا نے جیسے دیکھ لیا ہو دُلہن کا حُسن

اک میرے جدّ وہ حضرتِ فاخر سے ذی وقار
میرے لئے شرف تو بزرگوں کا افتخار

(۳۴)

ماہر تھے فنِ شعر میں ماہر کی یادگار
مداح ان کے لاکھ تو شاگرد بے شمار
چلتی تھی ان کی تیغِ قلم ہر زمین میں
جبریلِ فن کے ڈھونڈتی تھی پَر زمین میں

میرے بزرگ اور بھی تھے شاد و بامراد
اُمید گاہ علم و ہنر جن کا اجتہاد

(۳۵)

خورشید سے عقیل و فہیم و ادب نہاد
ذاخر، حسین، شاعرو جاوید حق نژاد
میں نے مذاقِ شعر جو پایا انھیں کا ہے
ورثہ یہ ہاتھوں ہاتھ جو آیا انھیں کا ہے

کچھ اور بھی یہاں تھے ثنا خوانِ باہنر
اب گوشۂ مزار ہے تا حشر جن کا گھر

(۳۶)
شوکت، ظریف، اطہر و بنیاد، مقتدر
زیبا، محب، ندیم، ثمر، نجم اور قمر
آغا کہ خود سخن بھی ثنا و صفت کرے
منظور اور وصی کی خدا مغفرت کرے

محبوب اور فارغ و زائر سے بے بدل
صابر، نسیم ساکن معمورہ اجل

(۳۷)
اصغر، شہید، حب، نظر و حر ہیں آج کل
جوہر ہیں اور عظیم سخندانِ باعمل
یہ سب بفیضِ آلِ محمدؐ وحید ہیں
حسبِ مذاق و فکر قدیم و جدید ہیں

رائق، جمیل و فیضی و شاد ایسے اہلِ فن
سردار و اعظمی و اثر، نیر و حسن

۳۸

دانش، رئیس، صفدر و حسان خوش سخن
قیصر، قسیم، امید، رضی سب کا یہ چلن
تابش الگ ہے مگر نور ایک ہے
اس آسماں پہ جو بھی ستارہ ہے نیک ہے

خاکی و ہاشمی و ہنر بدر اور ہلال
فیض و صبا و نوری و کرار خوش خیال

۳۹

یاور، نفیس، شاہد و منظر شکر مقال
جوش و رضا و عزم و ظفر جیسے باکمال
مرشد مرے نسیم حقیقت نگار ہیں
یہ گلشنِ ادب میں نسیم بہار ہیں

صد شکر آج ان میں مرا بھی شمار ہے
ناچیز پر یہ رحمتِ پروردگار ہے

۴۰

فکرِ جواں جو حُسنِ سخن کا نکھار ہے
عزمِ ثنائے اکبرؒ عالی تبار ہے

اس میں مرا معین جو حق کا حبیب ہو
بزمِ سخن میں نور کا منبر نصیب ہو

اکبرؒ ریاضِ حسنِ پیمبرؐ کے پھول ہیں
نخلِ شباب یہ ہیں وہ اصل اصول ہیں

۴۱

یوسفؒ دعائے حسن، یہ حسن قبول ہیں
صورت میں چال ڈھال میں بالکل رسولؐ ہیں

اس آئینے میں دیکھئے جلوہ رسولؐ کا
قامت کے رنگ روپ میں سایہ رسولؐ کا

ان کو اگر بٹھائیں محمدؐ کے رُو بہ رو

بالکل حضورؐ ہی کا سراپا ہے مو بمو

۴۲

شُہرہ بھی ہے سارے زمانے میں کو بکو

یہ ہم شبیہہ احمدؐ مرسل ہیں ہُو بہو

باتوں میں معرفت کے گہر رولتی ہوئی

تصویر ہے رسولؐ کی منہ بولتی ہوئی

منہ بولتی ہوئی ہے یہ تصویر بے گماں

گویا دہن میں ان کے محمدؐ کی ہے زباں

۴۳

عاشور کی وہ صبح، تقدّس کا وہ سماں

صحرا میں گونجتی ہوئی پرکیف وہ اذاں

ایک موج بن کے اشهد ان لا الٰہ کی

آواز آرہی تھی رسالت پناہؐ کی

جب دے چکا اذان وہ بانوؑ کا مہ لقا
بڑھ کر نمازیوں نے مصلّٰی بچھا دیا
مولاؑ نے کی امامتِ انصارِ باوفا
اتنے میں فوجِ شمر سے چلنے تیرِ بے خطا
کیا کیا خوشی نہ تھی سیہہ فتنہ ساز میں
کچھ ناصروں نے پائی شہادت نماز میں

(۴۴)

فارغ ہوئے نمازِ سحر سے جو تشنہ کام
روئے حسینؑ دیکھ کے ظلمِ سپاہِ شام
مڑ کر کہا "دفاع کا جلدی ہو انتظام"
پا کر امامِ وقت کی جانب سے اذنِ عام
انگڑائی لیکے جوشِ شجاعت میں جھوم کے
عباسؑ اٹھے حضورؑ کے قدموں کو چوم کے

(۴۵)

جھپٹے جلال میں صفتِ شیرِ خشمگیں
تیوری پہ بل نگاہ میں غصہ جبیں پہ چیں
(۴۶) الٹی ہوئی وہ غیظ میں کہنی تک آستین
حکم امامؑ ہو تو الٹ دیں ابھی زمیں
تیور بتا رہے ہیں جلالت پناہ کے
یہ ہیں ہژبر بیشۂ شیرِ الٰہ کے

اکبرؑ یہ دیکھ کر ہوئے بیچین جو کمال
آئے حضورِ سرورؑ دیں صورتِ سوال
(۴۷) کی عرض ہاتھ جوڑ کے وہ اے سیدہؑ کے لال
اب وقت آگیا ہے کہ آغاز ہو جدال
خادم یہ اوج پائے جو لطف امامؑ سے
ہو ابتدائے نصرتِ مولا غلام سے

بیٹے نے باپ سے جو کہا دل کا مدعا
دھچکا لگا یہ شاہ کو، جی سن سے ہو گیا

(۴۸)

خود کو مگر سنبھال کے مظلوم نے کہا
ہمت کو آفریں ہے، شجاعت کو مرحبا

ورثہ ہے یہ جلال شہ قلعہ گیر کا
پوتا ہے میرا شیر، جناب امیر کا

لیکن یہ امر ہم کو قیامت سے کب ہے کم
پیری میں ہے کس سے اٹھتا ہے کڑیل جواں کا غم

(۴۹)

نانا کی یادگار رہو تم، میرے ذی حشم
اہل حرم ہوں، دوست ہوں، انصار ہوں کہ ہم

نازاں ہیں اپنی خوبیٔ تقدیر دیکھ کر
جیتے ہیں سب رسول کی تصویر دیکھ کر

"انصار و اقربا ہیں شجاع و وفا شعار

زیدؑ و حبیبؑ و عابسؑ و مسلمؑ سے باوقار

پھر سب سے بڑھ کے قاسمؑ و عباسؑ نامدار

جانے نہ دے گا رن کو تمھیں کوئی جاں نثار

تصویرِ مصطفےٰؐ سے کنارا کریگا کون

تم سے جواں کی موت گوارا کریگا کون

۵۰

اکبرؑ یہ سُن کے چپ ہوئے پھر ماں کے پاس آئے

سینے پہ ہاتھ آنکھوں میں اشکِ الم چھپائے

پہلے تو چُپ کھڑے کچھ دیر سر جھکائے

آیا خیالِ خاطرِ مادر تو مسکرائے

منظر جو ماں تا کے نگاہوں میں پھر گئے

کچھ کہہ نہ پائے دوڑ کے قدموں پہ گر گئے

۵۱

گھبرا گئی یہ دیکھ کے وہ غم کی مبتلا
بنیاب ہو کے چیخ اٹھی رہ رہ بین یہ کہا یہ کیا

(۵۲)

اے میرے لال میرے قمر میرے مہ لقا
جلدی کہو کہ پھٹتا ہے سینے میں دل مرا
باتوں سے یاس کی مری جان میری جان لو
اس دورِ ابتلا میں مرا امتحاں نہ لو!"

اکبرؑ نے ہاتھ جوڑ کے مادر سے یہ کہا
آلِ نبیؐ کے خون کی پیاسی ہے کربلا

(۵۳)

ہل مِن مبارزِ کی اب آنیکو ہے صدا
دل چاہتا ہے پہلے میں بابا پہ ہوں فدا
لیکن پدر سے جنگ کی رخصت نہیں ملی
اماں امامِ دیں سے اجازت نہیں ملی

کیا ہو خدانخواستہ جو سِتّے پہ آنچ آئے

کیا ہو زبینِ دشت جو اک تازہ گُل کھلائے

۵۴

کیا ہو جو مجھ سے پہلے کوئی دوست رن کو جائے

کیا ہو جو یہ خبر کوئی اس ڈھنگ سے سنائے

"اکبر سے بڑھ کے اور کوئی کیا عزیز تھا"

دنیا کہے گی باپ کو بیٹا عزیز تھا

یہ ماجرا سُنا تو وہ گھبرا کے رہ گئی

صورت بسیر کی، قلب کو تڑپا کے رہ گئی

۵۵

چہرے کا رنگ دیکھ کے تھرا کے رہ گئی

آیا اندھیرا آنکھوں میں، چکرا کے رہ گئی

سنبھلی تو اٹھ کے گردِ بسیر گھومنے لگی

رُخ کی بلائیں لے کے جبیں چومنے لگی

سینے سے پھر لگا کے کہا اں نثار ہو
اتنا نہ اشک بار، نہ یوں بے قرار ہو
رخصت تمھاری کیوں نہ شہ دیں پہ بار ہو
اے میری جاں، رسولؐ کی تم یادگار ہو

ڈھارس بہت ہے تم سے شہِ مشرقین کو
پیارے بہت ہو لال مرے تم حسینؑ کو

۵۶

اچھا، چلو، پھوپھی سے اجازت دلائیں ہم
رخصت ملے تو لال کو دولہا بنائیں ہم
جوڑا سہانا ہاتھ سے اپنے پنہائیں ہم
تم روٹھ جاؤ ماں سے تو تم کو منائیں ہم

بیٹا پھوپھی کے حق سے مرا حق سوا نہیں
میں کیسے اذن دوں جب انہوں نے دیا نہیں

۵۷

اتنے میں آئیں زینبؑ ناشاد خود وہاں
دیکھا تو رُوئے بانوئے شہ تھا دھواں دھواں
اک دردِ ایک کرب سا چہرے سے تھا عیاں
گھبرا کے پوچھنے لگی اکبرؑ سے نیم جاں

۵۸

"کیا بات ہو گئی! مرے بھائی کی خیر ہو
اماں کی عمر بھر کی کمائی کی خیر ہو"

اکبرؑ سے کچھ کہا نہ گیا، چُپ کھڑے رہے
بانوؑ یہ عرض کرنے لگیں ہاتھ جوڑ کے
"آقا سے جنگ پر ہیں ستمگر تلے ہوئے
اذنِ جہاد چاہتے ہیں اب یہ آپ سے

۵۹

اللہ شہؑ کے سر سے بلاؤں کو رد کرے
بیٹا جواں ہے کیوں نہ پدر کی مدد کرے"

زینبؑ تڑپ کے بولیں کہ اکبرؑ نہیں نہیں
اے میرے لال میرے گلِ تر نہیں نہیں
یہ عُمر اور نرغۂ لشکر نہیں نہیں
پالا تھا تمکو اس لئے دلبر، نہیں نہیں

۶۰

اس ان گنے برس کا تصدّق اتار دوں
تم پر میں اپنے عونؑ و محمدؑ کو وار دوں

اکبرؑ یہ بات سنتے ہی مایوس ہو گئے
اور اُس طرف حسینؑ کے جانباز منچلے
ایک ایک کر کے طالبِ اذنِ وغا ہوئے
وہ جنگ کی کہ فوج کے چھکّے چھڑا دیئے

۶۱

وہ باگ روکنے سے جو حُرؑ شرمسار تھا
دینے کو اپنی جان بہت بے قرار تھا

پہلے اسی نے جان فدا کی حسینؑ پر
تھے اس کے ساتھ بھائی، غلام اور اک اسیر
پھر اُن کے بعد شاہؑ کے انصارِ خوش سیر
پہنچے حضورِ شاہؑ میں ہاتھوں پہ لیکے سر
سب نے شہید ہو کے سعادت حصول کی
ہر نذرِ پر خلوص خدا نے قبول کی!

(۶۲)

انصار ذبح ہو گئے، پیاروں نے جان دی
اک پھول پر چمن کی بہاروں نے جان دی
اک جانِ گلستاں پہ ہزاروں نے جان دی
خورشیدِ حق پہ چاند ستاروں نے جان دی
فرقت میں سب کی حال جو شہؑ کا تباہ تھا
مظلوم کی نظر میں زمانہ سیاہ تھا

(۶۳)

جب دوست کام آئے، عزیزوں نے کی مدد
کی اقربا نے نصرتِ مولا میں جد و کد
لاکھوں سے ایک ایک لڑا یوں بہ شد و مد
فوجِ عدو کے کشتوں کی کوئی رہی نہ حد

۶۴

گنتی میں پیدلوں نہ سواروں کی بات ہے
سینکڑوں کا ذکر، ہزاروں کی بات ہے

لیکن وہ بے شمار، یہ کم اور بہت ہی کم
اور پھر یہ خستہ حال و پریشاں، وہ تازہ دم
پیاسے یہ تین دن کے، وہ غرقِ مئے حشم
یہ بھوک سے نڈھال، وہ سیراب و پُر شکم

۶۵

سر دیجیے نام کر گئے سب مشرقین میں
بس اب جوان بیٹا ہے فوجِ حسینؑ میں

اکبرؑ پھوپھی کے پاس پھر آئے پئے رضا
بانوؑ نے بھی پسر کی سفارش کو یہ کہا
اکبرؑ سے پہلے عونؑ و محمدؑ ہوئے فدا
اب تک انھیں فدا نہ کیا، یہ مری خطا
طالب یہ اذن کے ہیں، ہیں عفوِ قصور کی
یہ آپ کے غلام، ہیں لونڈی حضورؑ کی"

۶۶

زینبؑ کلیجہ تھام کے چلّائی، بیبیو
جاتا ہے رن کو باپ کا شیدائی، بیبیو
مرنے کی نوجوان نے قسم کھائی، بیبیو
گھر میں دلھن نہ آئی، اجل آئی، بیبیو
رخصت ہے اب شبیہہِ رسالتمآبؐ کی
لٹتی ہے حق کی راہ میں دولت شباب کی

۶۷

یہ سُن کے اہلبیتؑ میں کہرام مچ گیا
وہ گریہ و بکا تھا کہ اک حشر تھا بپا
رُخ کر کے سُوئے نہر سکینہؑ نے دی صدا
"بھیّا چلے ہیں مرنے کو جلد آیئے چچا"
روکا اگر نہ ان کو تو محشر اٹھاؤں گی
اب بھی اگر نہ آئے تو میں روٹھ جاؤں گی"

۶۸

سن کر بہن کے بین شبیہہ رسولؐ نے
ایک سرد سرد آہ بھری دل کو تھام کے
گودی میں لیکے پیار کیا اتنے پیار سے
بچّی بھی روئی خود علی اکبرؑ بھی رو دیئے
ساری فضا کو غم میں ڈبوتے ہوئے چلے
ننھے گلے کو چُوم کے روتے ہوئے چلے

۶۹

چلنے لگے تو ماں نے کہا ضبط توڑ کے
"جاتے ہو میرے لال مجھے بن میں چھوڑ کے"

۷۰

اکبر نے ماں سے عرض یہ کی ہاتھ جوڑ کے
"صغراؑ سے بھی تو آئے تھے ہم منھ کو موڑ کے

نرغہ ہے دشمنوں کا امام انام پر
ہم کو نثار کیجئے اُمّت کے نام پر"

ماں نے کہا کہ جاؤ، مبارک سدھارنا
بیٹا، کسی بھی حال میں ہمّت نہ ہارنا

۷۱

نیزہ لگے جو سینے پہ اُس کو سہارنا
بابا کو وقتِ بد میں نہ لیکن پکارنا

کڑیل جواں ہو تم تو وہ پیرانہ سال ہیں
لونڈی کے تم پسر ہو وہ زہراؑ کے لال ہیں

اکبرؑ یہ کہتے پیشِ پدر آئے شاد شاد
بابا خدا کا شکر کہ بر آ گئی مراد
سب سے ملی اب آپ بھی دیں رخصتِ جہاد
راضی رضائے حق پہ ہوئے شاہؑ خوش نہاد
(۴۲)

اکبرؑ جو اذن پا کے بہ عزم وِگر چلے
شبیرؑ ان کے پیچھے کمر تھام کر چلے

اس شان سے تھا پشتِ فرس پر وہ مہ لقا
رف رف پہ جس طرح شبِ معراجِ مصطفٰیؐ
سر پر جو تھا عمامۂ سردارِ انبیا
بالکل نبیؐ کی شان تھی بالکل وہی ادا
(۴۳)

دھوکا ہوا جو رن میں نبیؐ کے درود کا
غل پڑ گیا زمین و زماں میں درود کا

(۷۴)

جیسا سوار ویسا ہی رہوار خوش خصال
سرعت کو اس کی پائے تخیل کی کیا مجال
اسپِ فلک نورد کی رفتار کی مثال
رف رف، براق، برق، تجلّی، نظر، خیال
اک جست میں زمیں سے خلا تک سفر کرے
اک ثانیے میں چاند کی منزل کو سر کرے

(۷۵)

صیحہ کرے تو شیر کا پتّہ بھی پھاڑ دے
فوجوں میں رم کرے تو صفوں کو اجاڑ دے
اس کو جو آپ ہٹ کے نہ رستہ پہاڑ دے
ٹاپوں سے مار مار کے صورت بگاڑ دے
فرطِ غضب میں اس کی جبیں پر جو بل پڑیں
دہشت سے پیلِ مست کی آنکھیں نکل پڑیں

تلوار میان میں ہے کہ بجلی ہے ابر میں
شہرہ ہے اس کی کاٹ کا ترسا و گبر میں
رکھتی ہے اختیار یہ بھی خود کو جبر میں
اکبرؑ کی یہ کنیز بھی فضہؑ ہے صبر میں
واقف جو ہے جہاد کے آداب عام سے
بے اِذن کیا مجال جو نکلے نیام سے

(۷۶)

پہنچا اس آن بان سے رن میں جو وہ جری
دہشت سے پڑ گئی دلِ اعدا میں تھرتھری
ڈالی نگاہِ غیظ جو لشکر پہ سر بسری
شاہی کے اقتدار کے بُت بول اُٹھے ہری
نظروں کو تھا گماں کہ خُدا کا حبیبؐ ہے
نکلے نبیؐ لحد سے، قیامت قریب ہے

(۷۷)

ایک اک سے کہہ رہا تھا کہ تعظیم کو بڑھو
حضرتؐ کی پیشوائی کو تکریم کو بڑھو

۷۸

اٹھو ادائے فرض میں تقدیم کو بڑھو
آداب کو، سلام کو، تسلیم کو بڑھو
سر رکھدو اب قدم پہ رسولؐ انام کے
موتی لٹاؤ بڑھ کے درود و سلام کے

یہ سُن کے فوج کیں سے پرے کے پرے بڑھے
سینوں میں آلؑ پاک سے کینہ بھرے بڑھے

۷۹

تیغ و تبر پہ دستِ نحوست دھرے بڑھے
جھجکے، چلے، لرز گئے، سہمے، ڈرے، بڑھے
پہچانی پاس آ کے جو صورت دلیر کی
پھر تیغیں کھینچنے میں نہ ٹھٹکے نہ دیر کی

اکبرؑ بھی بہرِ جنگ فرس پر سنبھل گئے
اعدائے دیں جلال سے اِنکے، دہل گئے
تیور جوان کے دیکھے تو چتون کے بل گئے
ضیغم کے آگے بزدلوں کے دم نکل گئے

۸۰

نعرہ کیا کہ تن کے بڑھو گر دلیر ہو
آنکھیں ملاؤ، سامنے آؤ جو شیر ہو

ہم ہیں شجاع شہؑ کے علمدار کی طرح
بازو ملے ہیں جعفرِ طیارؑ کی طرح
باطل شکن ہیں حیدرِ کرارؑ کی طرح
تلوار توڑ دیتے ہیں زنار کی طرح

۸۱

ہم ہیں ہژبرِ شبیرِ خدا، دیکھ لو ہمیں
تصویرِ مصطفٰےؐ ہیں، ذرا دیکھ لو ہمیں

اڈی یہ سُن کے فوجِ ستمگر جو بے حساب
اِک قہر بن کے ٹوٹ پڑا جانِ بوترابؓ
(۸۲) نکلے جری سے جنگ کو جو خانماں خراب
ان پر خدا کی مار تھی، اللہ کا عذاب
تھی بھاگنے کی راہ نہ موقع لڑائی کا
ہر سمت ایک شور مچا تھا دُہائی کا

تلوار شیر کی تھی کہ قتالِ دہر تھی
اس کو چھوؤ تو آگ تھی، چکھو تو زہر تھی
(۸۳) دریائے خوں کی موج تھی، طوفاں کی لہر تھی
بھونچال تھی، بلا تھی، قیامت تھی، قہر تھی
کھنچ کر مقابلے پہ جو باطل کے تن گئی
جینِ جبینِ حیدرؓ کرار بن گئی

یہ تیغ اور کیا تھی جو قہرِ خدا نہ تھی
باطل سے اس کے دل میں مروت ذرا نہ تھی
سچ مچ ہلاک کر تھی، عشوہ نما نہ تھی
ہم شانِ ذوالفقار تھی، تیغ ادا نہ تھی
جھونکے چلے جو دشت میں ایسی حسام کے
بجھنے لگے چراغ سویرے سے شام کے

(۸۴)

ہلچل یہ تھی کہ تیغ کہیں تھی سپر کہیں
رہرو کہیں تھے راہ کہیں، راہبر کہیں
بھائی کہیں تھا باپ کہیں اور پسر کہیں
بھگدڑ مچی تھی، پاؤں کہیں تھے نظر کہیں
پیدل تو کیا، سوار گرے اضطراب میں
سر خاک پر تھے، پاؤں معلّق رکاب میں

(۸۵)

محشر سے ہمکنارتھا میدانِ کارزار
نقارہ و دہل کی گرج، شورِ گیر و دار
چیخیں وہ زخمیوں کی، وہ کڑکیٹ کی پکار
گھوڑوں کی جست و خیز سے اڑتا ہوا غبار
لاشے نظر کی آخری حد تک پڑے ہوئے
اکبرؔ کی تیغِ تیز کے جھنڈے گڑے ہوئے

۸۶

بکھرے پڑے تھے دشتِ وغا میں ادھر ادھر
ہتھیار، چار آئینے، زرہیں، جھلم، سپر
دل، ہاتھ، پاؤں، سینہ، جگر سب تتر بتر
گھوڑوں کی ٹھوکروں میں تھے خیرہ سروں کے سر
جھکتے نہ تھے جو کبر سے اک آن کے لئے
گیندیں بنے تھے موت کی چوگان کے لئے

۸۷

چھینٹوں سے تھا لہو کی رخ آفتاب سرخ
ہوتا ہے جیسے عکسِ شفق سے سحاب سرخ
جسموں پہ زخم تھے کہ کھلے تھے گلابِ سُرخ
بہتی تھی ہر سبوئے شکم سے شراب سرخ

فوارے چھوٹ رہے تھے، فضا لالہ زار تھی
دشتِ خزاں میں جوش پہ فصلِ بہار تھی

۸۸

برپا ابھی تھا دشت میں وہ شورِ دار و گیر
چلتے تھے چار سمت سے گرز و سنان و تیر
ناگہہ بن نمیرؒ ستمگار و بے ضمیر
لیکر سنانِ ظلم چلا گھات میں شریر

چلائے اپنیا پہ کلیجے سنبھال کے
تصویرِ مصطفےؐ ہے ذرا دیکھ بھال کے

۸۹

تھا وہ تو بے ضمیر و ستمگار و پر دغل
نیزہ چلایا ایسے کہ تھرّا گئی اجل
۹۰
سینے میں گڑ کے رہ گیا موذی سناں کا پھل
اکبرؑ گرے زمیں پہ گھوڑے سے منھ کے بل!

جو آرزو تھی دل میں لہو بن کے بہہ گئی
مادر کلیجہ تھام کے ڈیوڑھی پہ رہ گئی
گرتے ہی شاہؑ کو یہ صدا دی پکار کر
"صد شکر کامیاب ہوا آپ کا پسر
۹۱
خادم کو اب نہیں ہے تمنّا کوئی مگر
بس دل یہ چاہتا تھا کہ مرنے سے پیشتر
دیدار شاہ دیںؑ کی سعادت حصول ہو
بابا سلام آخری میرا قبول ہو"

شبیرؑ نے سُنی جو یہ آوازِ دلفگار
دوڑے یہ کہہ کے جانبِ میدانِ کارزار
"لو الوداع اے مرے نانا کی یادگار
ہم سمجھے اس سلام کا مطلب ہے آشکار
کیسی جھجک یہ آخری زحمت کے واسطے
حاضر ہے باپ آپکی خدمت کے واسطے"

۹۲

یہ کہہ کے شاہؑ اشک بہاتے ہوئے چلے
بیٹے کے غم میں خاک اڑاتے ہوئے چلے
ایک اک قدم پہ ٹھوکریں کھاتے ہوئے چلے
فوجوں کو سامنے سے ہٹاتے ہوئے چلے
کھویا تھا نورِ چشم تو کچھ سوجھتا نہ تھا!
منزل کہاں ہے، راہ کدھر کچھ پتا نہ تھا

۹۳

ہر گام پر صدا انھی کہ اکبر کہاں ہو تم

آؤں میں کس طرف مرے دلبر کہاں ہو تم

۹۴

جانے کدھر یہ بیکس و مضطر، کہاں ہو تم

بولو تو ہم شبیہہ پیمبر کہاں ہو تم

جلدی ہمیں پکارکے مشکل کو رد کرو

بیٹا، غریب باپ کی کچھ تو مدد کرو

آئی صدا کہ آتے ہیں کیوں شاہِ کربلا

الجھا ہوا ہے، قلب میں نیزہ تو کیا ہوا

۹۵

نکلے گا آپ اور جو تڑپیں گے ہم ذرا

زحمت نہ آپ کیجئے ہم آپ پر فدا

کیا کیجئے گا آکے یہاں اتنی دور سے

میت ہماری اٹھ نہ سکے گی حضور سے

سُن کر صدا جوشہؑ کو لسپر کا پتا ملا
مقتل میں ہم شبیہ رسولؐ خُدا ملا
اس حال میں حسینؑ کو وہ مہ لقا ملا
کڑیل جواں زمیں پہ تڑپتا ہوا ملا
گہرا سناں کا زخم تھا دل میں دلیر کے
نیزہ گڑا ہوا تھا کلیجے میں شیر کے

۹۶

رو کر کہا حسینؑ نے اکبرؑ ہم آئے ہیں
اٹھو مرے شبیہِ پیمبرؐ ہم آئے ہیں
تم تک ہزار ٹھوکریں کھا کر ہم آئے ہیں
زینب نے ہم کو بھیجا ہے دلبر ہم آئے ہیں
ماں کے پھوپھی کے پاس تمہیں لیکے جائینگے
پیری میں اپنی قوتِ دل آزمائیں گے

۹۷

بیٹھے زمیں پہ، گود میں بیٹے کا سر لیا
سینے سے پھر نکالنے کو نیزۂ جفا
(۹۸)
کھینچی سناں سنبھال کے دل یا علیؑ کہا
کھنچ کر سناں کے ساتھ کلیجہ نکل پڑا
ایک آہ کر کے باپ کی گودی میں مر گئے
مولا تڑپ کے رہ گئے اکبرؑ گذر گئے

مظلوم نے شہیدوں کو آواز دی کہ آؤ
مسلمؑ حبیبؑ، حرؑ مرے اکبرؑ کی لاش اٹھاؤ
(۹۹)
قاسمؑ کہاں ہو، عونؑ و محمدؑ کو ساتھ لاؤ
عباسؑ آ کے بھائی کی ہمت تو کچھ بڑھاؤ
مشکل کشائی کیجیے یا مشکل کشا علیؑ
ٹوٹی کمر پہ لاش اٹھاتا ہوں یا علیؑ

زینبؑ یہ سُن کے خیمے سے نکلیں برہنہ پا
مقتل کی سمت دوڑ پڑیں دے کے یہ صدا
بھیّاؑ میں آرہی ہوں، توقف کریں ذرا
عباسؑ سا وہ بھائی نہیں ہے تو کیا ہوا

میں رن سے اپنے لال کو خیمے میں لاؤنگی
ساتھ آپ کے جوان کی میّت اٹھاؤنگی

۱۰۰

دیکھا بہن کو رن میں جو بے مقنع و ردا
شبیرؑ نے لرز کے کہا کیا غضب کیا!
زینبؑ یہ کیا، ابھی تو ہے زندہ یہ بے نوا
ہم کو ابھی سے شام کا منظر دکھا دیا

خیمے میں جاؤ بنتِ پیمبرؐ کا واسطہ
زینب تمھیں جوانیٔ اکبرؑ کا واسطہ

۱۰۱

پلٹی جو رن سے خیمے کو زہراؑ کی نورِ عین
لاشِ پسر اٹھا کے چلے شاہِ مشرقین
عباسؑ ہیں نہ قاسمؑ وسعدؓ و زہیرؓ قین
"فریاد از غریبی و بے یاری حسینؑ"

۱۰۲

اٹھو چلیں کہ ہم ابھی زندہ ہیں دوستو
مولاؑ جواں کی لاش پہ تنہا ہیں دوستو

ساحرؔ بس اب خموش کہ ہے جوشِ پُر بکا
پہلا یہ مرثیہ مرے مولاؑ کی ہے عطا
دستِ طلب بڑھا کے سوئے شاہِ کربلا
کیجئے زبانِ فاخرِ مغفور میں دعا

۱۰۳

"مُطلب یہی ہے آپ سے بس اس حقیر کا
یا شاہِ دیں قبول ہو ہدیہ فقیر کا"

مرثیہ گو شعراء کا تعارف

از:۔ بلال نقوی

جن مرثیہ گو شعراء کا جناب ساحر لکھنوی نے اپنے مرثیے کے چھپے میں اشارۃً یا صراحتاً ذکر کیا ہے۔ ان کا مختصر تعارف حروفِ تہجی کی ترتیب سے سطورِ ذیل میں ملاحظہ فرمایئے۔

آثر | جعفر علی خان آثر لکھنوی شاعر و نقاد کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں۔ ۱۲ر جولائی ۱۸۸۵ء میں لکھنؤ میں ان کی ولادت ہوئی۔ ۱۹۳۴ء میں آثر نے جدید طرز کا پچاس بندوں پر مشتمل ایک مرثیہ کہا، جو اہمیت کا حامل ہے۔

آثر جلیلی | آثر جلیلی ریڈیو پاکستان کوئٹہ سے متعلق ہیں۔ قدیم رنگ کا مرثیہ کہتے ہیں ہر سال مرثیہ پڑھنے کے لئے کراچی تشریف لاتے ہیں اور ڈاکٹر یاور عباس کے یہاں مرثیہ پڑھتے ہیں۔

اختر | اودھ کے آخری تاجدار نواب واجد علی شاہ اختر۔ ان کے چار ضخیم دیوان موجود ہیں جن میں مرثیے بھی ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ مرثیوں کی تین جلدیں بھی ہیں۔ مرزا دبیر کے شاگرد تھے۔ ان کا شعر ہے۔

بچپن سے ان کے دامِ سخن میں اسیر ہوں
ہیں کمسنی سے عاشقِ نظمِ دبیر ہوں

اصغر | اصغر رضوی۔ نسیم امروہوی کے شاگرد ہیں۔ عزیز آباد بلاک ۵۔ فیڈرل "بی" ایریا میں مقیم ہیں۔ پانچ مرثیے کہے ہیں جو اب تک قلمی ہیں۔

اطہر | سید تقی اطہر جعفری ۱۹۰۷ء میں بمقام ڈیگ ریاست جون پور میں پیدا ہوئے۔ نسیم امروہوی کے شاگرد تھے۔ ۱۹ر اگست ۱۹۶۵ء کو وفات پائی۔ ان کے مرثیوں کا مجموعہ "گلدستہ اطہر" ۱۹۷۳ء میں شائع ہوا۔ ۱۹۷۷ء میں "گلدستہ اطہر پر ایک نظر"

(مصنف راقم الحروف ہلال نقوی) طبع ہوئی۔

اُمید | امید میر انیس کے ہم عصر تھے ان کا نام سید محمد جعفر تھا ۱۲۹۲ھ ان کا سنہ وفات ہے امام باڑہ غفراں مآب کے دالان میں اُن کی قبر ہے۔ ان کے بڑے صاحبزادے محمد کاظم جاوید بھی مرثیہ گو تھے

اُمید | امید فاضلی ڈبائی ضلع بلند شہر کے باشندے ہیں۔ بنیادی طور پر غزل کے مشاق شاعر ہیں۔ ۷۳ء یا ۷۴ء سے مرثیہ کہنا شروع کیا ہے" کراچی کے ایک ادبی ادارے (الفاظ) سے وابستہ ہیں۔

انس | ایک انس وہ تھے جو عشق و تعشق کے والد تھے۔ اُن کا پورا نام سید میرزا انس لکھنوی تھا۔ (متوفی ۱۸۰۷ء) لیکن اس مرثیے میں جن انس کا ذکر ہے وہ انیس کے بھائی اور میر وحید کے والد میر مہر علی انس ہیں ان کا سنہ وفات ۱۸۹۰ء ہے۔

انیس | میر علی انیس وہ شاعر ہیں جن کا اثر انیسویں اور بیسویں صدی کے شعراء پر گہرا ہوا جس شاعر پر سینکڑوں مقالے اور اتنی ہی کتابیں لکھی جا چکی ہوں اس کا تعارف کیا کرایا جائے۔ سنہ وفات ۱۸۷۴ء ہے سنہ ولادت پر البتہ تحقیق جاری ہے۔ ضمیر اختر نقوی نے ماہِ نو انیس نمبر ۱۹۷۲ء میں صفحہ ۳۵ پر ۱۸۰۱ء لکھا ہے اس سنہ کو کئی محققین نے تسلیم کیا ہے۔

اوج | مرزا محمد جعفر اوج، مرزا دبیر کے صاحبزادے اور میر انشاء اللہ انشا کے نواسے تھے۔ ۱۵ فروری ۱۸۵۲ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے ۱۸ اپریل ۱۹۱۷ء کو انتقال ہوا۔ "معراج الکلام" مرثیوں کی جلد شائع ہو چکی ہے۔

آرزو | سید آلِ رضا کے اُستاد علامہ انور حسین آرزو کے پانچ مرثیے "خمسۂ متحیرہ" چھپ چکے ہیں، پاکستان میں انہوں نے مرثیے کی دو اہم مجلسیں پڑھیں ایک زیڈ اے بخاری کے مکان پر اور ایک خیرپور میں جو نسیم امروہوی کی منعقد کردہ مجلس تھی۔ ۱۹۵۱ میں کراچی میں انتقال ہوا۔ علی باغ میں دفن ہیں۔

آشفتہ | حکیم آشفتہ کا تعلق خاندانِ اجتہاد سے تھا۔ انہوں نے مرثیے میں نفسیاتی پہلوؤں

تو آنجہانی نے پر زیادہ توجہ دی۔

اعظمی | مشہور صحافی حسین اعظمی آج کل روزنامہ "اعلان" سے منسلک ہیں تین مرثیے "حرف خون" "مشعلِ حق" اور "کشورِ قلم" طبع ہو چکے ہیں۔ ان کا سنہ ولادت ۱۹۳۴ء ہے۔

آغا | آغا سکندر مہدی۔ اسے بریلی میں پیدا ہوئے "مرثیہ معلّی" کے نام سے تین جلدیں چھپ چکی ہیں۔ صواعقہ امامیہ میں ہر سال مرثیہ پڑھنے کراچی تشریف لائے تھے ۱۲ اپریل ۱۹۶۶ء کو بھاولپور میں انتقال ہوا۔

بدر | بدر الہ آبادی ۱۹۰۱ء میں الہ آباد میں پیدا ہوئے ۱۹۷۶ء میں کراچی میں انتقال ہوا۔ نسیم امروہوی کے شاگرد تھے ۱۹۷۰ء میں ان کے مرثیوں کی ایک جلد "بدر کامل" چھپ چکی ہے۔

جلیس | عصرِ حاضر کے نامور مرثیہ گو شاعر نسیم امروہوی کے والد اور شمیم امروہوی کے صاحبزادے اور شاگرد تھی۔ کم و بیش ۱۲ مرثیے کہے ہیں۔ خوانندگی میں بے مثل تھے سنہ وفات ۱۹۱۰ء

بنیاد | بنیاد تیموری ۱۳۰۱ھ میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ پڑھت کا سیکل اور مقبول تھی۔ ۱۹۷۱ء میں کراچی میں وفات پائی۔

بیاں | سید محمد مرتضیٰ ابن سید گوہر علی رضوی، اردو میں بیاں تخلص کرتے تھے اور فارسی میں یزدانی۔ قصبہ جارچہ ضلع بلند شہر سے تعلق تھا۔ تین مرثیوں کی جلد "رنگ بہار" ۱۹۷۴ء میں ڈاکٹر صفدر نے شائع کی۔

تعشق | سید میرزا نام اور تعشق تخلص، میرزا انس کے صاحبزادے تھے۔ ۱۳۰۹ھ میں انتقال کیا۔ مرثیے میں تغزل کا رنگ و آہنگ ان کی خاص ایجاد ہے۔ یہ انیس کے ہمعصر تھے۔

اگرچہ اور تعشق ہیں کہنے کو ہم عصر   مگر انیس سا کوئی نہ خوش بیاں دیکھا

ثابت | سید افضل حسین ثابت لکھنوی ۱۸۶۲ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے "حیاتِ دبیر"

اور "دربارِ حسینؑ" ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ مرزا اوج کے شاگرد تھے۔ ۱۹۴۱ء میں انتقال ہوا۔ ان کے مرثیوں کی ایک جلد "صبر جمیل المعروف بہ برق غم" ۱۹۲۴ء میں طبع ہو چکی ہے۔

ثمر | بادشاہ مرزا ثمر ۱۸۹۴ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ تقریباً ۲۰ مرثیے کہے جو قدیم رنگ کے ہیں۔ کراچی میں ۱۹۷۰ء میں انتقال ہوا۔

جاوید | بندہ کاظم ان کا نام تھا یہ اوج کے ہمعصر تھے۔ ان کے والد سید جعفر آمید انیس و دبیر کے دور کے شاعر تھے۔ ان کا تعلق خاندانِ اجتہاد لکھنؤ سے تھا۔

جدید | جدید لکھنوی شدید لکھنوی کے شاگرد ہیں، ان دنوں لکھنؤ میں قیام پذیر ہیں جدید انداز کے مرثیے کہتے ہیں۔

جلیس | میر انیس کے پوتے اور میر سلیس کے صاحبزادے جلیس بھی مرثیہ گو تھے۔ ۱۹۱۰ء میں عالم شباب میں انتقال ہوا۔

جلیل | ایک جلیل لکھنوی تھے اور ایک جلیل مانک پوری۔ جلیل مانک پوری امیر مینائی کے شاگرد تھے۔ جلیل لکھنوی کا انتقال لکھنؤ میں اور جلیل مانک پوری کا حیدرآباد دکن میں ہوا۔ دونوں مرثیے کے شاعر تھے۔ جلیل لکھنوی کا تعلق خاندانِ انیس سے تھا۔

جمیل | علامہ جمیل مظہری یکم جنوری ۱۹۰۵ء (یا ستمبر ۱۹۰۴ء) کو پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ "عرفانِ جمیل" چھ مرثیوں کا مجموعہ ہے جو ڈاکٹر صفدر حسین کے مقدمے کے ساتھ ۱۹۶۹ء میں لاہور سے شائع ہوا، جمیل مظہری نے ۱۹۳۰ء میں پہلا مرثیہ کہا۔ انھیں جدید مرثیے کی اہم کڑی سمجھنا چاہیئے۔

جوش | شبیر حسن خاں جوش ملیح آبادی ۱۸۹۴ء میں پیدا ہوئے اپنی منفرد اسلوب کی نظموں کے باعث شاعرِ انقلاب کے نام سے شہرت پائی۔ ۱۹۱۸ء میں پہلا مرثیہ کہا لیکن ۱۹۴۲ء کے مرثیے "حسینؑ اور انقلاب" کی اشاعت سے ممتاز مرثیہ گو شاعروں میں شمار کئے گئے۔ اب پاکستان میں مقیم ہیں تقریباً ۹ مرثیے کہے ہیں آجکل حکومت کے وزارتِ تعلیم

سے وابستہ ہیں۔

جوہر | جوہر نظامی زنانہ گانے والے، یہ پہلے حنفی مذہب تھے اب اثنا عشری ہیں مرثیہ کہتے ہیں۔

حبیب | مہاراج کمار سید حبیب خان آف محمود آباد کے بھائی، شیعہ پولیٹکل کانفرنس لکھنؤ کے صدر، مرثیہ کہتے ہیں اور حبیب تخلص کرتے ہیں۔

حُر | پورا نام محمد حُر، راجا صاحب محمود آباد کے داماد بھی ہیں اور بھانجے بھی۔ امداد امام اثر ان کے دادا تھے۔ حُر ۱۹۲۵ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ آپنے پانچ مرثیے کہے ہیں۔ وہ سلسلہ 'فکر و عمل' کے عنوان سے ایک طویل مسدس (رزمیہ نظم) لکھ رہے ہیں جس کے تقریباً دو ہزار اشعار رسالہ 'ارشاد' کراچی میں اب تک چھپ چکے ہیں۔ بیشتر زبانوں کے ادب کا گہرا مطالعہ کیے ہوئے ہیں۔

حسان | حسان جون پوری ذوالقدر بہادر، شاگرد میر انیس کے پوتے ہیں جون پور (بہار) میں رہتے ہیں۔ ایک سال پہلے کراچی تشریف لائے تھے اور مرثیے کی کئی مجالس پڑھ گئے۔ انکی پڑھت قابلِ توجہ ہے۔

حسن | ضیاء الحسن موسوی، جناب ناصر الملت کے نواسے ہیں عربی علوم کے باکمال ہیں ۱۹۲۴ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۶ء میں پہلا مرثیہ "خطبۂ شقشقیہ" کہا انکے بارے میں وحید الحسن ہاشمی کی رائے ہے کہ "تمام جدید مرثیہ نگاروں میں نسیم امروہوی کے بعد بین نظم کرنے میں خاص ملکہ رکھتے ہیں (عظمتِ انسان ص۲۸۳)

حسین | جھنگا صاحب حسینؔ خاندان اجتہاد کے ایک فرد تھے، فدا علی خنجر نے اپنے ایک مقالے میں لکھنؤ کے ان پڑھ شعراء میں ان کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ مرثیے کے پہلے شاعر ہیں جو پیدائشی نابینا تھے۔ ان کی ایک صاحبزادی ناز نہ ناظم آباد کراچی میں مقیم ہیں۔

خاکی | ڈاکٹر مسعود رضا خاکی ۱۹۲۶ء میں میرٹھ میں پیدا ہوئے "سرشار کی ناول نگاری"

پر ۱۹۴۸ء اور ۱۹۵۲ء کی درمیانی مدت میں پنجاب یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کیا۔ سیماب اکبرآبادی ان کے استاد تھے۔ دو مرثیے چھپ چکے ہیں۔

خبیر | مرزا اوج کے شاگردوں میں خبیر لکھنوی نے بڑی شہرت پائی۔ ۳ / اکتوبر ۱۸۹۷ء کو ولادت ہوئی۔ ۷ / جون ۱۹۶۵ء میں انتقال ہوا۔ "بدر کامل" ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ یہ مجموعہ مراثی دو جلدوں میں شائع ہو چکا ہے اس میں چودہ معصومین کے حال میں ۴۲ مرثیے ہیں

خلیق | میر مستحسن خلیق خود بھی نامور شاعر اور نامور شاعر میر انیس کے والد اور میر حسن کے بیٹے۔ نائب حسن نقوی نے نئی دہلی کے رسالے آج کل کے انیس نمبر (۱۹۷۵ء) میں ۵۵ بیان کے مرثیوں کی ۳۲۲ تعداد کا ذکر کیا ہے۔ سنہ ولادت ۱۱۸۱ھ ہے۔

خورشید | نام سید اصطفٰے حسین عرفیت مولوی لڈن اور تخلص خورشید۔ سید محمد جعفر انیس کے بھانجے اور مولوی دلدار علی صاحب مجتہد العصر کے نواسے سنہ ۱۹۰۱ء میں انتقال ہوا۔

دانش | صفی حیدر دانش راولپنڈی میں ہر سال مرثیہ پڑھتے ہیں تقریباً ۵ مرثیے کہے ہیں

دبیر | مرزا سلامت علی دبیر ۲۹ / اگست ۱۸۰۳ء کو دہلی کے محلہ بلی ماران میں پیدا ہوئے۔ ضمیر کے نامور شاگرد انیس کے ہمعصر اور مدمقابل تھے کثرت سے مرثیے کہے ہیں ۱۸۷۵ء میں انتقال ہوا۔

دلگیر | فصیح، خلیق اور ضمیر کے ہم عصر چھنولال دلگیر کے مرثیوں کی سات ضخیم جلدیں مطبع نولکشور سے چھپ چکی ہیں۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے "لکھنؤ کا دبستانِ شاعری" میں ان کے شعروں کی تعداد ۹۴ ہزار ۵ سو بتائی ہے، دلگیر کا سنہ ولادت تقریباً ۱۷۸۳ء ہے۔

ذاخر | سید فرزند حسین ذاخر، میر وارث کے صاحبزادے تھے انکا انتقال ۱۹۳۲ء میں ہوا تعلق خاندانِ اجتہاد سے تھا۔ مرثیہ نگاری کے علاوہ نوحہ گوئی کو اس منزلِ کمال پر پہنچایا کہ "دعبلِ ہند" مشہور ہوئے۔

رائق | کیکا بھائی صالح بھائی لوہرہ انجمن کے رہنے والے اور وہاں بظاہر کی گلشن نجمی انجمن کے منتظم ہیں۔ مرثیہ خواں بھی ہیں اور مرثیہ گو بھی عمر تقریباً ۷۰ سال ہے۔

رشید | سید مصطفیٰ مرزا عرف پیارے صاحب رشید انیس کے نواسے اور عشق اور تعشق کے بھتیجے تھے۔ مرثیے میں ساقی نامے انہوں نے بہت کثرت سے نظم کئے ہیں۔ ۱۹۱۸ء میں انتقال ہوا۔

رضا | سید آل رضا جون ۱۸۹۶ء میں نیوتنی ضلع اناؤ میں پیدا ہوئے۔ بنیادی طور پر غزل گو شاعر تھے۔ ۱۹۳۹ء میں پہلا مرثیہ کہا۔ ۲۰ مرثیے کہہ چکے ہیں (دیکھئے جدید مرثیے کے تین معمار) بقول فضل لکھنوی "جدید مرثیے" کے نقیبوں میں شامل ہیں (دیکھئے نفسِ مطمئن)

رضی | ۱۹۱۰ء میں "کیرانہ" میں پیدا ہوئے۔ دو مرثیے کہہ چکے ہیں۔ یہ دونوں مرثیے نسیم امروہوی کے اصلاح کردہ ہیں۔ ان کی شاعری میں دبیریت کے تیور نمایاں ہیں

رفیع | مرزا اوج لکھنوی کے صاحبزادے اور مرزا دبیر کے پوتے مرزا محمد طاہر رفیع ۲۰ جنوری ۱۸۶۷ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۴۸ء میں انتقال ہوا۔ دربار رامپور سے مرثیہ گو کے طور پر وابستہ تھے۔

رئیس | رئیس امروہوی دنیائے صحافت و ادب کی مشہور شخصیت ہیں۔ ان کا ایک مرثیہ "حسین اور حسینیت" شائع ہو چکا ہے۔ یہ اردو میں سب سے پہلا مختصر مرثیہ ہے جو منظر عام پر آیا اور بعد میں اس نمونے کے مختصر مرثیے کا رواج ہوا۔ آپ کسی کے شاگرد نہیں ہیں۔ مگر تین سو کے قریب آپ کے شاگرد ہیں

(گلزار خاص ۷، فلش پیر اصحابی)

ریاض | میر ریاض الدین ریاض بارہہ کے باکمال شاعروں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ میر انیس کے شاگرد تھے فن تحت خوانی میں بھی بے مثل تھے۔

زائر | سید محمد اطہر زائر سیتاپوری ۱۹۰۲ء میں پیدا ہوئے۔ انتقال ۱۹۶۶ء میں ہوا۔ انہوں نے جدید طرز کے مرثیے کہہ کر مرثیے کے ارتقائی سفر میں نمایاں حصّہ لیا ہے۔ ان کے بھائی نادم سیتاپوری نے مجھے زائر کے مرثیوں کی تعداد ۱۸ بتائی ہے۔

زکی | منے آغا صاحب زکی میر انیس کی نواسی کے بیٹے پیارے صاحب رشید کے

شاگرد اور داماد، تقسیم کے بعد لکھنؤ میں انتقال ہوا۔

زیبا | نجم آفندی کے شاگردوں میں زیبا ردولوی انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کے صاحبزادے کے پاس ان کے چھ قلمی مرثیے موجود ہیں۔ ان کا سنہ ولادت ۱۹۰۷ء انتقال جولائی ۱۹۶۸ء میں کراچی میں ہوا۔

سردار | مشہور ترقی پسند شاعر علی سردار جعفری مشہور شاعر و نقاد ہیں، ہندوستان کی فلمی دنیا سے وابستہ ہیں، انہوں نے مرثیے بھی کہے ہیں۔ انہوں نے اپنی تصنیف "لکھنؤ کی پانچ راتیں" میں یہ اظہار کیا ہے کہ انہوں نے انیس کے زیر اثر مرثیے کہے۔

سردار | سردار نقوی کا تعلق امروہہ سے ہے فرزدق ہند حضرت نسیم امروہوی کی نواسی کے بیٹے ہیں، تقریباً دس بارہ مرثیے کہہ چکے ہیں۔ جیالوجی کے ایم اے ہیں اور ایک مقامی کالج میں لیکچرار ہیں۔ بورڈ آف انٹر میڈیٹ کراچی کے سکریٹری بھی رہ چکے ہیں۔

سکندر | تذکرۂ میر حسن، تذکرۂ خوش معرکہ زیبا اور تذکرۂ ہندی وغیرہ میں سکندر کا ذکر ملتا ہے۔ خلیفہ محمد علی سکندر کا تعلق پنجاب سے تھا، ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی نے تعارفِ مرثیہ میں ص ۸۱ پر اسے مسدس کی ہیئت میں مرثیہ کہنے والا شاعر قرار دیا ہے۔ اس کا سنہ وفات ۱۸۰۰ء ہے۔ اسکا ایک بہت مشہور مرثیہ آج بھی شہرت رکھتا ہے ع

ہے روایت شتر اسوار کسی کا تھا رسول

سلیس | میر سلیس انیس کے صاحبزادے ہیں، عمر میں نفیس سے چھوٹے تھے، ان کے تین صاحبزادے میر جلیس، میر قدیم اور نواب محمد غیور شاعر تھے۔

سودا | مرزا محمد رفیع سودا کا دور ۱۷۱۲ء سے ۱۷۸۱ء تک ہے۔ رام بابو سکسینہ نے انھیں مسدس کی شکل میں مرثیہ کہنے والا پہلا شاعر لکھا ہے (تاریخ ادب اردو ص ۲۱۲) مرثیے کو اہم صنفِ سخن کا درجہ دے کر اس کا وقار قائم کرنے میں سودا کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔

شاد | شاد عظیم آبادی کا انتقال ۷ جنوری ۱۹۲۷ء میں ہوا۔ شاد نہ صرف مرثیہ گو

بلکہ غزل کے بھی بہترین شاعر تھے تنقیدی ذہن کے مالک تھے۔ مرثیہ گو شعراء کے حالات
اور کلام پر انہوں نے قابلِ قدر سرمایہ چھوڑا ہے۔

شاداںؔ | شاداں کا تعلق دہلی سے ہے، چھ یا سات مرثیے کہہ چکے ہیں۔ کراچی
میں مقیم ہیں۔ اور اسٹیٹ بنک آف پاکستان میں ملازم ہیں۔

شاعرؔ | مولوی سید اولاد حسین شاعر لکھنوی۔ حضرت ذاکر لکھنوی کے صاحبزادے
تھے۔ خطیبِ اعظم شمس العلماء سید سبطِ حسن کے بھتیجے، نہایت بلند پایہ مرثیہ گو، ہمہ رنگ شاعر،
اعلیٰ مرتبہ کے نثر نگار، بے مثل خطیب، مورخ اور صحافی تھے۔

شاہدؔ | شاہد نقوی ۱۹۱۷ء میں شکارپور ضلع بلند شہر میں پیدا ہوئے۔ ہر سال ضیغمیہ
امام بارگاہ میں مرثیہ پڑھتے ہیں۔ ان کے ۸ مرثیوں کی جلد "نفسِ مطمئن" ۱۹۷۲ء میں
شائع ہو چکی ہے۔

شدیدؔ | پیارے صاحب رشید کے نواسے سجاد حسین شدید لکھنوی، لکھنؤ میں قیام
پذیر ہیں۔ یہ میر انیس کے شاگرد خلد لکھنوی کے بیٹے ہیں "ریاضِ شدید" کے نام سے تین
جلدیں چھپ چکی ہیں ۱۹۵۴ء یا ۱۹۵۵ء میں ڈاکٹر یاور عباس کے مکان پر ایک مجلس پڑھ چکے
ہیں اور ایک محفل شاہِ خراسان کراچی میں۔

شمیمؔ | خمخانۂ جاوید میں لالہ سری رام نے شمیم امروہوی کا سنہ پیدائش ۱۸۴۹ء لکھا
ہے۔ لیکن شمیم امروہوی کے پوتے نسیم امروہوی نے مجھے ۱۸۳۹ء بتایا ہے۔ ان کا فرمانا ہے
کہ لالہ سری رام کی تحقیق غلط ہے انتقال ۱۹۱۳ء میں ہوا۔ "ریاضِ شمیم" ۷ مرثیوں کی جلد بے
جواب نایاب ہے۔ شمیم اوج کے ہمعصر تھے، ان کے صاحبزادے اور نسیم امروہوی کے والد
برجیس بھی مرثیہ گو تھے۔

شوکتؔ | شوکت تھانوی کا نام محمد عمر تھا، بندرا بن ضلع متھرا میں ۱۹۰۶ء میں پیدا ہوئے
صرف ایک مرثیہ "شہادتِ عظمیٰ" لکھا جو ڈاکٹر یاور عباس کے مکان پر ایک مجلس

میں پیش کیا گیا تھا۔

شہید | شہید لکھنوی کا انتقال نومبر ۱۹۷۷ء میں ہوا۔ شہید لکھنوی کے شاگرد تھے ابتدائی مرثیوں پر نسیم امروہوی سے اصلاح لی تھی۔

شہید صفی پوری | بھی مرثیہ گو شاعر ہیں۔ شیعہ کالج لکھنؤ میں پروفیسر ہیں۔ نقاد وادیب کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں۔

صابر | صابر تھاریانی ۱۹۰۶ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۷۰ء میں کراچی میں انتقال ہوا۔ بمبئی میں کئی گجراتی اور اردو اخبارات کے ایڈیٹر تھے۔ گجراتی کے مستند شاعر تھے۔ جوش نے گجراتی نظموں کا اردو میں ترجمہ کیا۔ نسیم امروہوی کے صاحب دیوان شاگرد تھے۔

صبا | صبا اکبرآبادی ۱۴ اگست ۱۹۰۸ء کو آگرہ میں پیدا ہوئے ان کا نام خواجہ محمد امیر ہے کئی مرثیے کہہ چکے ہیں۔

صفدر | ڈاکٹر سید صفدر حسین کاظمی ۱۲ مئی ۱۹۱۹ء کو سادات بارہ کے قصبہ تسہ ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۷ء میں پنجاب یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کیا۔ ان کے مرثیے جو الگ الگ چھپتے رہے ہیں۔ اب ۱۹۷۶ء میں مجموعے کی شکل میں "لب فرات" میں شائع ہوئے ہیں۔ اردو ادب خصوصاً اردو مرثیے پر ہمہ وقت تحقیق کرنے والوں میں نمایاں حیثیت کے مالک ہیں، کئی کتابوں کے مصنف اور مولف ہیں، ان کی پڑھت کا انداز مشہور ہے آجکل ڈائرکٹر توسیع تعلیم و تخصیصی تعلیم پنجاب کے طور پر کام کر رہے ہیں، لاہور میں مقیم ہیں۔

ضمیر | واجد علی شاہ کے عہد سلطنت میں میر ضمیر کا انتقال ۶ نومبر ۱۸۵۵ء میں ہوا۔ مرثیے کے اجزاء پہلی بار باقاعدہ طور پر مرثیے میں ایک تنظیم کے ساتھ پیش کرنے میں ضمیر کا نام مرثیہ گویوں کی فہرست میں سب سے اوپر ہے۔

ظریف | ریاست "الور" کے رہنے والے تھے جبلپور میں ملازم ہوئے، چنانچہ جبلپوری مشہور ہوئے اصلاً مزاح گو شاعر تھے۔ ایک یا دو مرثیے کہے ہیں، ۱۹۶۴ء میں کراچی میں انتقال ہوا۔

ظفر | ظفر جون پوری ۱۹۲۶ء میں پیدا ہوئے چھ یا سات مرثیے کہے ہیں جو غیر مطبوعہ ہیں۔ ان دنوں جامعہ کراچی کے شعبۂ معارف اسلامیہ سے منسلک ہیں آلِ رضا کے شاگرد رہے ہیں۔

عارف | عارف میر نفیس کے نواسے والد کا نام سید محمد حیدر تھا، جنگِ آزادی کے دو برس بعد ۱۸۵۹ء میں پیدا ہوئے ان کے ایک صاحبزادے سید یوسف حسین ناظم آباد کراچی میں مقیم ہیں۔ موصوف نے ایک بار مجھ سے فرمایا تھا کہ ڈاکٹر صفدر حسین، عارف کے مرثیے شائع کرنے والے ہیں۔ عارف کا انتقال ۱۹۱۶ء میں ہوا۔

عروج | میر خورشید حسن عرف دولھا صاحب عروج، میر انیس کے پوتے اور نفیس کے صاحبزادے تھے۔ ۳۱ مئی ۱۹۳۱ء کو انتقال ہوا۔ ان کی پڑھت بڑی شہرت رکھتی ہے۔

عزم | عزم جون پوری سید آلِ رضا کے شاگرد تھے۔ ۱۹۰۷ء میں جون پور میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۹۷۶ء میں کراچی میں انتقال ہوا۔ ۱۹۵۹ء میں پہلا مرثیہ کہا۔ مراثی اب تک غیر مطبوعہ ہیں۔

عشق | سید محمد میرزا انس کے صاحبزادے اور تعشق کے بھائی، ۱۸۸۷ء میں انتقال ہوا۔ دو جلدیں چھپ چکی ہیں، ڈاکٹر مسیح الزماں نے عشق کا ذکر "اصلاح زبان کی تحریک کے میر براہ" کہہ کر کیا ہے (ص ۲۱۴ اردو مرثیے کا ارتقاء)

عظیم | عظیم امروہوی ۹ اپریل ۱۹۴۶ء کو امروہہ میں پیدا ہوئے اور اب وہیں محلہ مجاپوتہ میں رہتے ہیں بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں ۱۹۷۴ء میں مرثیہ پر بھی توجہ دی۔ اب تک چار مرثیے کہہ چکے ہیں۔ امروہہ کے مشہور بزرگ عالم مولوی عبادت صاحب عظیم کے استاد ہیں۔

عقیل | نام سید صادق حسین۔ نفیس اور فاخر کے ہمعصر تھے۔ خاندانِ اجتہاد سے تعلق تھا نوحے بھی کہتے تھے۔ کئی مرثیے کہے لیکن کوئی مرثیہ شائع نہیں ہوا۔

فاخر | نواب اصغر حسین فاخر جناب مہدی حسین ماہر کے شاگرد بھی تھے اور بھتیجے بھی۔ نفیس کے ہم عصر تھے اور کثیر التلامذہ تھے۔ پانچ دیوان غزلوں کے شائع ہوئے لیکن مرثیے غیر مطبوعہ ہیں۔ ذاکر صاحب کے اُستاد بھی تھے اور ماموں بھی، تعلق خاندانِ اجتہاد سے تھا۔

فارغ | سید محمد افضل ابن سید طاہر علی۔ فارغ تخلص، ۲۷ر جنوری ۱۸۴۳ء کو پیدا ہوئے۔ سینا پور سے تعلق تھا۔ ڈاکٹر صفدر آہ کی ان سے متعلق ایک تصنیف "فردوسی ہند" ہے۔ فارغ سیناپوری میر انیس کے شاگرد تھے۔ ۱۹ر صفر ۱۳۱۸ھ میں انتقال ہوا۔

فائز | خورشید حسن نام "لڈن عرفیت"، فائز تخلص۔ میر انیس کے سلسلۂ نسب کے آخری چشم و چراغ اور دولہا صاحب عروج کے بیٹے۔ گیارہ مرثیے غیر مطبوعہ ہیں جب تک زندہ رہے میر انیس کی سالانہ ۲۵ رجب والی مجلس ناظم صاحب کے امام باڑے لکھنؤ میں پڑھتے رہے۔

فائق | سید ظفر حسن بابو صاحب فائق عارف کے صاحبزادے اور شاگرد بھی تھے۔ ۱۹۴۴ء میں انتقال ہوا۔ مزار انیس کے پہلو میں دفن ہیں۔ ان کے صاحبزادے اصغر حسین ناظم آباد کراچی میں مقیم ہیں تقریباً گیارہ مرثیے کہے جو غیر مطبوعہ ہیں۔

فراست | سید فراست حسین فراست زید پوری ۲۶ر جون ۱۸۷۱ء کو زید پور ضلع بارہ بنکی میں پیدا ہوئے۔ ان کے مرثیوں کی تین جلدیں "ماہ کامل" "تصویرِ وفا" اور "ماہِ تمام" چھپ چکی ہیں۔

ماہِ کامل (۱۹۲۱) میں دو ہزار بند ہیں جن میں پوری تاریخِ اہلِ بیت نظم کی گئی ہے اکتوبر ۱۹۵۲ء میں انتقال ہوا۔

فرید | سلطان صاحب فرید۔ میر انس کے پوتے اور وحید کے بھتیجے تھے۔ ان کے مرثیے غیر مطبوعہ ہیں۔

فصیح | فصیح کا سنہ پیدائش مصحفی نے "ریاض الفصحا" میں ۱۸۰۷ء لکھا ہے۔

فقیح کی زبان بہت منجھی ہوئی ہے۔ شاد عظیم آبادی نے انکی چار جلدوں کا تذکرہ "پیمبرانِ سخن" میں کیا ہے۔ فقیح کے بھائی مرزا نجف علی تبلیغ کے پردنتے جناب نجم آفندی اس عہد کے نامور شاعر تھے۔

فہیم | سید ساجد حسین نام فہیم تخلص۔ جاوید اور ذاخر کے ہمعصر تھے۔ خاندانِ اجتہاد سے تعلق تھا۔ ریاضی جنتری میں ان کے مرثیوں کا ذکر ہے اور بعض مرثیوں کے مطلع بھی درج ہیں۔

فیض | فیض بھرت پوری نسیم امروہوی کے شاگرد ہیں۔ ۱۱ر نومبر ۱۹ء کو بھرت پور میں پیدا ہوئے۔ "مراثی فیض" طبع ہو چکی ہے۔ شہدائے ٹھیری سے متعلق ان کا ایک مرثیہ "داستانِ ظلم" ۱۹۷۷ء میں شائع ہوا ہے۔ جس میں نیا انداز اور نئی سمت ہے

فیض | فیض احمد فیض ۱۹۱۱ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ عربی میں ایم اے کیا۔ غزل اور نظم کے پانچ مجموعے چھپ چکے ہیں۔ ۱۹۷۴ء میں ان کا ایک مرثیہ "اخبارِ جہاں" میں شائع ہوا ہے اور ایک غیر مطبوعہ ہے۔

فیضی | فیضی راولپنڈی میں مقیم ہیں۔ ہر صنفِ سخن پر طبع آزمائی کرتے ہیں۔ چند مرثیے بھی کہے ہیں۔

قدیم | نبیرگان میرانیس میں خاص شہرت کے مالک تھے۔ بہت زود گو اور خوش فکر شاعر تھے۔ مزاج میں انکسار، سادگی اور متانت تھی۔ توکل کی زندگی بسر کرتے تھے۔ دولہا صاحب عروج کے ہمعصر تھے۔

قسیم | نسیم امروہوی کے صاحبزادے قسیم ابن نسیم ۱۹۴۲ء میں خیالی گنج لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ اب تک چار مرثیے کہہ چکے ہیں ۱۹۷۲ء سے مرثیہ گوئی شروع کی۔ "تحاریت" کے نام سے ایک مرثیہ چھپ چکا ہے جس میں ابراہیم جلیس اور راقم الحروف (ہلال نقوی) کا مقدمہ شامل ہے (ناشر سید علی سید امروہوی)

قطب | قلی قطب شاہ گولکنڈہ کے جو تھے حکمراں ابراہیم قلی کا بیٹا اور جانشین

تھا۔ اس کا دور ۱۵۸۰ء سے ۱۶۱۱ء تک کا ہے۔ قطب شاہ کی کلیات "مجلس اشاعت دکنی مخطوطات حیدر آباد" نے ۱۹۴۰ء میں شائع کی۔ جس میں مرثیے بھی ملتے ہیں۔ یہ نہ صرف اُردو کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر ہے بلکہ پہلا مرثیہ گو بھی ہے۔

قلق | مولانا حکیم شیخ مولا بخش قلق۔ میرٹھ کے رہنے والے تھے اور طب میں نقشبند خاں دہلوی کے شاگرد تھے، مومن خاں اور امام بخش صہبائی سے شعر و سخن میں استفادہ کیا ۵ راگست ۱۸۸۳ء کو انتقال ہوا۔

قیصر | غزل کے مشہور شاعر نفیس استاد کے نام سے مخاطب کیا جاتا تھا۔ جلالی کے باشندے تھے۔ انیس کے انتقال سے دو سال قبل ۱۸۷۲ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۶۸ء میں کراچی میں انتقال ہوا۔ ان کے مرثیے بھی چھپ چکے ہیں۔

قیصر | قیصر بارہوی مرثیے کے مشہور شاعر ہیں۔ پنجاب کے شہروں اور دیہاتوں میں اپنے مخصوص ترنم کے ساتھ مرثیہ پڑھتے ہیں۔ بقول خود انہی کے اب تک ۷۵ کے قریب مرثیے کہہ چکے ہیں۔ انہوں نے امام حسینؑ کے علاوہ باقی ائمہ پر بھی مرثیے کہے ہیں۔

کامل | نفیس کے ہم عصروں میں مولوی سید علی میاں کامل لکھنوی مشہور مرثیہ گو تھے۔ ۱۹۱۶ء میں وفات پائی۔ "معیار کامل" جلد اوّل ۱۹۵۱ء میں چھپ چکی ہے اسے مہذب لکھنوی صاحب نے مرتب کیا ہے۔

کرار | ۱۹۱۱ء میں کرار جون پوری کی ولادت ہوئی ظریفانہ لٹریچر میں نئے نئے راستوں کے خالق ہیں "ہر ثیے" کے باقاعدہ شاعر ہیں۔ مرثیے بھی کہتے ہیں۔

گدا | رجب علی بیگ سرور نے "فسانہ عجائب" میں جن شاعروں کا تذکرہ کیا ہے ان میں گدا کا نام بھی ملتا ہے۔ اس نے باقاعدہ مرثیے کہے ہیں اس کا سنہ ولادت ۱۷۴۵ء اور سنہ وفات ۱۸۱۶ء ہے۔

ماہر | نواب مہدی حسین ماہر کا تعلق خاندانِ اجتہاد سے تھا۔ ۱۹۱۰ء میں انتقال ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ عزیز لکھنوی کا قول تھا کہ "اگر ماہر کا کلام انیس کے نام سے پیش کر دیا جائے تو پڑھنے والا غالباً مشکوک نہ ہوگا۔" (مرثیہ بعد انیس از ڈاکٹر صفدر حسین ص ۶۵) فاخر لکھنوی کے چچا بھی تھے اور استاد بھی۔

محبّ | راجا صاحب محمود آباد مجبور کے والد بھی محب تخلص کرتے تھے۔ مہاراجہ محب کا انتقال ۱۲ مئی ۱۹۳۱ء کو ہوا۔ ان کے مرثیوں کا مجموعہ "مراثی محب" چھپ چکا ہے۔

محبوب | راجا صاحب محمود آباد تخلص محبوب۔ غالباً گیارہ یا بارہ مرثیے کہے ہیں جن میں سے کئی چھپ چکے ہیں۔ ۱۹۷۳ء میں لندن میں انتقال ہوا۔ امام علی رضا کے روضے میں دفن ہیں۔

مسکین | میر محمد مہدی دہلوی، مسکین تخلص، عہد محمد شاہی کا مشہور مرثیہ گو ہے۔ اسکا زمانہ ۱۷۰۹ء سے ۱۷۶۵ء تک ہے۔ سودا نے مسکین کو سرآمد مرثیہ گویاں لکھا ہے۔ درگاہ نے 'مرقع دہلی' میں مسکین کا تذکرہ بڑی اہمیت کے ساتھ کیا ہے۔

منظر | منظر عظیمی، مرزا دبیر کے شاگرد عظیم کے پوتے ہیں۔ ۱۹۰۵ء میں ولادت ہوئی۔ ان کے مرثیے غیر مطبوعہ ہیں۔ منظر ان دنوں کراچی میں رہائش پذیر ہیں۔

منظور | ڈاکٹر سید منظور مہدی رائے پوری نسیم امروہی کے شاگرد تھے۔ ۱۹۶۵ء میں ان کے مراثی کی جلد شائع ہو چکی ہے۔ سنہ وفات ۱۹۶۶ء ہے۔

مؤدب | سلسلہ خاندانِ عشق کے نامور مرثیہ گو مؤدب لکھنوی نے کئی مرثیے کہے ہیں۔ لیکن تمام غیر مطبوعہ ہیں۔

مونس | خلیق کے صاحبزادے اور میر انیس کے بھائی ۱۸۷۶ء میں انتقال ہوا۔ انہوں نے سلام بہت عمدہ کہے ہیں۔ شاد عظیم آبادی نے ان کی سلام نگاری پر 'پیغمبرانِ سخن' میں اظہارِ خیال کیا ہے۔

تہذیب | نوذب لکھنوی کے بیٹے اور شاگرد، مرثیوں کی تین جلدیں چھپ چکی ہیں۔ ان دنوں لکھنؤ میں قیام ہے۔ آج کل ایک ضخیم لغت لکھنے میں مصروف ہیں۔ جس کا نام تہذیب اللغات ہے۔

میر | میر تقی میر ۱۱۳۶ھ میں آگرہ میں پیدا ہوئے ۱۲۲۵ھ میں لکھنؤ میں وفات پائی۔ اردو غزل کے نامور شاعر ہیں۔ پانچ دیوان غزلیات کے ہیں اور چھٹا دیوان مرثیوں کا۔

نانک | نانک چند نانک مذہباً ہندو تھے۔ نظامی پریس نے ان کے دو مرثیے شائع کئے ہیں۔ پیارے صاحب رشید کے شاگرد تھے۔

نجم | نوحے اور سلام کو نئے تیور دینے میں نجم آفندی کا مقام بہت بلند ہے انہوں نے دو مرثیے "معراج فکر" اور "فتح مبین" کہے ہیں۔ ۱۸۹۳ء میں ولادت ہوئی اور ۱۹۷۵ء میں کراچی میں انتقال ہوا۔ نجم آفندی کی زندگی اور ان کے ادبی کارناموں پر "بزم نجم آفندی" نے ۱۹۷۷ء میں ایک شاہکار ضخیم مجلہ "النجم" شائع کیا ہے۔

ندیم | حکیم ندیم لکھنؤ کے باشندے تھے چند سال پیشتر کراچی میں انتقال ہوا۔

نسیم | ۱۹۰۸ء میں امروہہ میں ولادت ہوئی ۱۹۲۳ء میں پہلا مرثیہ کہا۔ اب تک ۱۷۶ مرثیے کہہ چکے ہیں۔ ان کے کئی شاگردوں کے مرثیوں کی جلدیں چھپ چکی ہیں فاضل لکھنوی نے آپ کو جدید مرثیے کا سربراہ کہا ہے (نفس مطمئن) کراچی میں مقیم ہیں اور ۱۹۶۱ء سے مرکزی حکومت کے عظیم منصوبے کے مطابق اردو ڈکشنری ۱۲ جلدوں میں مرتب کر رہے ہیں۔ جس کا نام "تاریخی اردو لغت" ہے

نسیم | نسیم بہرسری داغ کے شاگرد تھے ریاست "الور" میں مشہور بہرسری سادات کے فرد تھے۔ کئی مرثیے تصنیف کئے جو بہت مقبول ہوتے جس علاقے کے وہ باشندے ہیں اس علاقے میں ان جیسا مرثیہ گو شاید ہی پیدا ہوا ہو۔ غزل بھی خوب کہتے تھے۔

نظر | انظر جعفری رامپور میں پیدا ہوئے اور رہنے والے میمن ضلع بجنور کے ہیں۔ سنہ ولادت ۱۹۳۵ء ہے، غالباً تین مرثیے کہے ہیں، غزل، نعت، سلام اور منقبت کے بھی مشہور شاعر ہیں۔

نفیس | ۱۸۱۶ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۰۱ء میں انتقال ہوا۔ انیس کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ انیس کی اولاد میں انھیں سب سے بہتر مرثیہ گو قرار دیا جاتا ہے۔

نفیس | ۱۹۱۶ء میں فتح پور ہسوہ میں نفیس کی ولادت ہوئی، ان کے مرثیوں کی جلد "افکار نفیس" ۱۹۷۷ء میں شائع ہو چکی ہے۔

نوری | آزاد نوری ریڈیو پاکستان کراچی سے منسلک ہیں، اصل وطن دلی ہے۔ بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں، مرثیے بھی کہے ہیں، لیکن یہ سلسلہ اب ختم ہو چکا ہے۔

نیر | مقبول حسین نیر کراچی میں قیام پذیر ہیں۔ کافی تعداد میں مرثیے کہے ہیں جو غیر مطبوعہ ہیں۔

وحشی ڈاکٹر تھنوں لال دھون وحشی مظفر نگری پی ایچ ڈی آج کل پٹنہ میں مقیم ہیں۔ جمیل مظہری کے شاگرد ہیں۔

وحید | سید محمد ہادی وحید، میر مہر علی انس کے صاحبزادے اور انیس کے بھتیجے تھے ۱۸۳۲ء میں ان کی ولادت ہوئی اور ۵۴ سال کی عمر میں ۱۸۸۶ء میں انتقال ہوا۔

وحید | مشہور ادیب و نقاد وحید اختر علی گڑھ یونیورسٹی میں صدر شعبۂ فلسفہ ہیں انہوں نے جدید رنگ کے چند مرثیے لکھے ہیں۔

وصی | سید آل رضا کے شاگرد تھے، فیض آباد سے تعلق تھا۔ ۱۹۱۷ء میں پیدا ہوئے۔ جناب آل رضا نے اپنے ایک خط میں جو میرے نام ہے ——— اپنے چار شاگردوں، وصی فیض آبادی، عزم جون پوری، وحید الحسن ہاشمی اور ظفر جونپوری کا ذکر کیا ہے۔ اس خط میں جناب آل رضا نے وصی فیض آبادی کی صلاحیتوں کو سراہا ہے۔ آل رضا کا یہ خط میری کتاب "جدید مرثیے کے تین معمار" میں شائع ہو گیا ہے۔

ہاشمی | وحید الحسن ہاشمی درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے ہیں ۱۵ ستمبر ۱۹۲۸ء میں محلہ میرانی بازار جون پور میں پیدا ہوئے لاہور میں مقیم ہیں دو تین مرثیے چھپ چکے ہیں۔

آل رضا نے انھیں ایک خط میں اپنا شاگرد لکھا ہے۔

بلال | ۱۸ مارچ ۱۹۴۸ء کو راولپنڈی میں پیدا ہوتے۔ جوش نے انھیں اپنا شاگرد لکھا ہے۔ نسیم امروہوی کے تلامذہ میں اب نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ "جدید مرثیہ" پر جامعہ کراچی سے پی ایچ ڈی کر رہے ہیں۔ تین مرثیے شائع بھی ہو چکے ہیں۔ ان کے مرثیوں میں انقلاب کا لب و لہجہ ہے، جس سے ان کی انفرادیت اُبھرتی ہے۔ (ستارہ لکھنوی)

ضمیر | سید لائق علی ضمیر ۱۲ اگست ۱۹۱۲ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ضمیر کے شاگرد ہیں۔ مرثیے غیر مطبوعہ ہیں، البتہ نوحوں کی دو بیاضیں "حسین حسن" اور "شکوۂ غم" طبع ہو چکی ہیں۔

یاور | ڈاکٹر یاور عباس ۱۹۱۷ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ تقسیم کے بعد پاکستان میں مرثیے کی مجالس کے انعقاد میں اور اس کے اہتمام و انتظام میں انہوں نے بڑی خدمت انجام دی ہے۔ "۱۹۶۲ء کے چند جدید مرثیے" میں ان کا مرثیہ شائع ہو چکا ہے۔ ہر سال اپنے مکان پر مرثیہ پیش کرتے ہیں۔

یاور | یاور اعظمی نسیم امروہوی کے شاگرد ہیں، یکم مئی ۱۹۱۲ء کو موضع بہار الدین پور کندھیا ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ "مراثی یاور" ۱۹۷۷ء میں چھپ چکی ہے اس میں چھ مرثیے ہیں۔

سلام

ظلم کی فطرت کبھی درد آشنا ہوتی نہیں
صبر کی عظمت رہینِ التجا ہوتی نہیں

سطوتِ باطل حریفِ مدعا ہوتی نہیں
آدمیت ظلمِ ظالم سے فنا ہوتی نہیں

انقلاب انگیز وہ فکرِ بقا ہوتی نہیں
سیرتِ شبیرؑ جس کی رہنما ہوتی نہیں

سجدہ گاہِ فکر گر خاکِ شفا ہوتی نہیں
فن کے شیشے پر عقیدت کی جلا ہوتی نہیں

فکرِ شاعر عرش سے آگے رسا ہوتی نہیں
مدحتِ حیدرؑ کبھی حد سے سوا ہوتی نہیں

عشقِ پیغمبرؐ، ولائے آلؑ، حُبِّ مرتضیٰؑ
یہ وہ دولت ہے جو غیروں کو عطا ہوتی نہیں

محتسب پی کر تو دیکھے بادۂ حُبِّ علیؑ
اس سے بہتر دردِ عصیاں کی دوا ہوتی نہیں

جس کی فکرِ حق رسا پر حق کو ہو خود اعتماد
بھول کر بھی ایسے انساں سے خطا ہوتی نہیں

رحم کی امید کیا رکھیں یزید نحس سے
سچ تو ہے، کم اصل انساں سے وفا ہوتی نہیں

اللہ اللہ یہ غم شبیرؑ کا کیف دوام
دل نہیں بھرتا، طبیعت بے مزا ہوتی نہیں

چل کے نیزے پر بتایا یہ سر شبیرؑ نے
فطرتِ ذوقِ عمل بے دست و پا ہوتی نہیں

رزم گاہِ حق میں مردانِ خدا کے واسطے
موت اک انعام ہوتی ہے، سزا ہوتی نہیں

زندگی صبر و رضا کے فرش پر خنجر تلے
صرف اک کروٹ بدلتی ہے، فنا ہوتی نہیں

سارے عالم میں مثیل ان کا، نہ ہے ان کی مثال
ہر پسر شبیرؑ، ہر ماں فاطمہؑ ہوتی نہیں

جب سے آغوشِ محبت میں علم نے لے لیا
مشک دم بھر اس کی باہوں سے جدا ہوتی نہیں

اس طرح لپٹی ہے پائے عابدِ بیمار سے
پنڈلیوں سے ظلم کی بیڑی جدا ہوتی نہیں

ذکر ہے شبیرؑ کا سحر مشیت کی عطا
ہر کس و ناکس کو یہ دولت عطا ہوتی نہیں